ماہنامہ

تجلّی

دیوبند

Islamic News Paper Agency,
CLOTH BAZAR, RAICHUR.

ایڈیٹر۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

Annual Rs. 7. 62 nP.

موسم کی
تبدیلی کے
دنوں میں

صافی

استعمال کیجیے

صافی آپ کو خون کی خرابی سے
پیدا ہونے والی بیماریوں سے بچائے گی
اور آپ کے نظامِ عصبی میں توازن
پیدا کر کے آپ کے جسم میں تازہ خون
کی لہر دوڑا دے گی۔ معدہ کے فعل
کو درست کرے گی اور جسم کو چست
اور پھرتیلا بنائے گی۔

بلند پایہ علمی، ادبی، اصلاحی اور دینی جریدہ

ہفت روزہ وفاق لائل پور

زیر ادارت

● مصطفیٰ صادق ——— ● جمیل اطہر

علم و ادب، تہذیب و تمدن، فلسفہ و مذہب، فکر و نظر، تنقید و تبصرہ، شخصیات و سیاسیات اور ہر اہم موضوع پر نامور اور معروف اہل قلم کے مضامین شائع کرتا ہے۔ وفاق کا باقاعدہ مطالعہ علمی ذوق کو جلا دینے ذہنی صلاحیتوں کی صحیح نشو و نما اور دین سے واقفیت کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

[illegible]

● وفاق موجودہ جرائد میں ایک اچھی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ تعاون میرے نزدیک دین کی مفید خدمت ہے۔ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع)

● وفاق کے مضامین کا معیار بہت بلند ہے۔ منظومات پاکیزہ ہیں۔ چھپائی اور کتابت اعلیٰ ہے۔ (شیخ منظور قادر وزیر خارجہ پاکستان)

● ہر پہلو کے ادبی و اشاعتی اصول کو سامنے رکھا جائے تو وفاق خاصا اچھا ہفت روزہ ہے۔ (جناب حفیظ صدیقی)

● وفاق حسن ترتیب، مضامین کے تنوع اور مقصد کے اعتبار سے خوب سے خوب تر ہو گیا۔ وفاق کی ترقی و بقا کے لئے دعا گو ہوں اور اس کے لئے اچھی تمنائیں رکھتا ہوں۔ (جناب ماہر القادری)

● سائز: ۲۰×۳۰/۴ ● صفحات: ۲۰ ● قیمت: ۱۰ پیسے نئے پیسے

۳۱ دسمبر تک چندہ ادا کرنے والے حضرات سال بھر کے لئے

[illegible]

دس روپے کی بجائے چھ روپے چندہ ارسال کر کے سال بھر کی چالیس عام اشاعتیں اور بارہ ضخیم اور ضخیم خاص نمبر حاصل کر سکتے ہیں۔ دو سال کے لئے بیک وقت چندہ ادا کرنے والوں کو صرف دس روپے ارسال کرنا ہوں گے۔ ایجنٹ حضرات خصوصی مراعات کے لئے خط و کتابت کریں۔

بھارت میں چندہ مینیجر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ کو بھیج کر رسید منی آرڈر ہمیں ارسال کر دی جائے۔

[illegible]

اسلامی قانون نمبر

چراغِ راہ کراچی کا یہ نمبر جس قدر مقبول ہو چکا ہے محتاجِ بیان نہیں اعلیٰ درجے کے مضامین مقالات کا بیش قیمت گنجینہ۔ دو ضخیم جلدوں میں مکمل۔ قیمت آٹھ روپے

چراغ راہ کا سالنامہ ۱۹۵۷ء

چراغ راہ نے نمبر ایک شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انکی حیثیت وقتی نہیں ہوتی ہے۔ یہ سالنامہ بھی اپنے معروف معیار کے عین مطابق ہے۔ قیمت ڈھائی روپے

حدیث اور قرآن

حدیث اور قرآن کے تعلق اطاعت رسولؐ کی حیثیت اور حدیث سے متعلق چند اہم سوالات کے جواب پر مشتمل مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی گرانقدر تصنیف

قیمت ایک روپیہ

پردہ

پردے کے موضوع پر مولانا مودودی کی وہ معرکۃ الآراء تصنیف جس میں قدیم و جدید دونوں رخوں سے اس مسئلہ کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

مناسک حج

حج اور مناسک حج کے موضوع پر امام ابن تیمیہؒ اور شیخ صنعانیؒ کی دو عربی کتابوں کا سلیس ترجمہ۔ قیمت مجلد تین روپے۔

تاریخ عالم

حضرت آدمؑ سے لیکر حضور اکرمؐ تک انبیاءؑ کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مکمل تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور ممالک اور ریاستوں کی تاریخ اور ان کے جغرافیائی حالات۔

قیمت ساڑھے چار روپے

اپنی کہانی

ہندوستان کے صدر جناب راجندر پرشاد کی خودنوشت کہانی۔ عمدہ سفید کاغذ پر آفسیٹ سے چھپی ہوئی ۷۰۰ صفحات

قیمت مجلد ساڑھے بارہ روپے

تجلی کا خلافت نمبر

اس نمبر کو بفضلہ تعالیٰ کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی دائمی افادیت ہی کے پیش نظر اسے زائد چھپوایا گیا تھا۔ اب بھی کچھ مقدار موجود ہے۔ جلد طلب فرمائیں۔

قیمت ایک روپیہ

فتنۂ انکار حدیث

انکار حدیث کے تعارف اور منکرین حدیث کے مدلل رد میں ایک سیر حاصل ضخیم کتاب تین حصوں میں مکمل

قیمت ساڑھے تیرہ روپے

تعزیہ

اسلام اور علماء کی نظر میں

قیمت چھ آنے

تجلی کا خاص نمبر ۱۹۵۶ء

ایمان و عمل کے علمی و دینی مسئلہ پر معرکۃ الآراء بحث۔ بدعات کا مفصل رد اور دوسری مفید و دلچسپ چیزیں۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

دعوتِ حق منظوم

آغاز عالم سے آج تک حق کا قافلہ کن کن مرحلوں سے گذرا ہے اسکی روداد شعر کے پیراہن میں۔ مجلد چار روپے (غیر مجلد سوا تین روپے)

امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی

مولانا مناظر احسن گیلانی کی مبسوط تالیف جو معلومات کثیرہ کا خزانہ ہے۔ مجلد بارہ روپے

حقیقت عبودیت و عبادت کے موضوع پر امام ابن تیمیہؒ کے افاضات عالیہ۔ قیمت سوا روپیہ

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلی دیوبند

جلد ۱۳ — شمارہ ۱۲

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت سات روپے - فی پرچہ ۰/۶۲ (۶۲ نئے پیسے)

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۸ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین مطابق ماہ دسمبر ۱۹۶۲ء

نمبر	مضمون	مصنف	صفحہ
۱	آغاز سخن	عامر عثمانی	۶
۲	تفہیم الحدیث	"	۱۵
۳	تجلی کی ڈاک	"	۱۹
۴	کیا ہم مسلمان ہیں؟	شمس نوید عثمانی	۴۰
۵	جب اسلام کارفرما تھا	مولانا عبدالرؤف رحمانی	۴۳
۶	مسجد سے میخانے تک	ملا ابن العرب مکی	۵۱
۷	کھرے کھوٹے	عامر عثمانی	۶۱

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپکی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا۔ (وی پی سات روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات:۔ ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر اور اپنا نام و مکمل پتہ ہمیں بھیجدیں سالہ جاری ہو جائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو-پی)

مدیر: عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

پاکستان کا پتہ:۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند" سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

بنامِ جہاندارِ وجاں آفریں

آغازِ سخن

ہندوستانی مسلمان جس آشوب وابتلا کا نشانہ ہیں وہ کیسی ہی خوں آشام اور ہولناک ہو مگر غیر متوقع اور حیرتناک نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کفر و شرک کو جب بھی موقع ملا ہے اس نے اسلام پر تاخت کی ہے۔ کفر و شرک چاہے عیسائیت کے لباس میں ہو یا یہودیت کے جامے میں۔ الحاد کے لبادے میں ہو یا ہندومت کے روپ میں۔ وہ اسلام کا کھلا دشمن ہے۔ اس کا تقاضائے فطرت ہی یہ ہے کہ جس اسلام نے اسے ہر ہر محاذ پر ہر ہر میدان میں ذلت آمیز شکستیں دی ہیں۔ جس اسلام نے اس کی کمر توڑ دی ہے، اس سے بدلہ لینے کے لئے وہ گھات میں بیٹھا ہے۔ آج اگر موقع میسر آجانے پر وہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے در کا غلام بنا لینا چاہتا ہے تو یہ توقع کے عین مطابق ہے۔ جو لوگ کفر و اسلام کی نفسیات سے بہرہ ور ہیں وہ تو عرصہ ہوا اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ "قوم پرستی" "وطن پروری" بھائی چارگی اور دیگر ظاہر فریب اصطلاحوں کی آڑ لے کر جو مطالبات مسلمانوں سے کئے جا رہے ہیں وہ دراصل شرک و بے دینی ہی کے مطالبے ہیں، لیکن اب تو ان اصطلاحوں کے مقصود و مدعا کو خود استعمال کرنے والوں ہی نے سر رجہ فاش کر دیا ہے کہ آڑ اور حجاب و نقاب کا قصہ ہی ختم ہوا۔ فرقہ پرست جماعتوں کو چھوڑیئے۔ وہ کانگریس جس نے بے لاگ جمہوریت اور مذہبی رواداری کے بھجن پنجم سُر میں گائے تھے اور اب بھی گاہے گاہے گاتی رہتی ہے۔ خود اسی کے اکثر و بیشتر اعیان و اکابر اب منافقت کے پردوں کو رفتہ رفتہ اُٹھاتے جا رہے ہیں اور جن خوبصورت اصطلاحوں اور نعروں کے ذریعہ انھوں نے خود کو جمہوریت پسند، فراخدل اور عدل پیشہ باور کرایا تھا زبان و عمل سے ان کی ذہنی تعبیریں پیش کر رہے ہیں جن کا مآل و مفاد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں جینا ہے تو مشرک بن کر جینا ہوگا۔ اپنی تہذیب و ثقافت سے دستبردار ہو کر جینا ہوگا۔ اپنی مذہبی انفرادیت کو خیرباد کہکر جینا ہوگا۔ ماہِ گذشتہ کے "آغازِ سخن" میں یوپی کے وزیر داخلہ جناب چرن سنگھ کا تذکرہ ہم نے نسبتاً توصیفی انداز میں کیا تھا۔ اُس وقت تک یوپی کے فسادات کے سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ ارشادات صادر کئے تھے وہ تھے ہی اس لائق کہ انھیں غنیمت تصور کیا جائے۔ لیکن جلد معلوم ہوگیا کہ وہ ارشادات وزیر داخلہ کے تھے ہی نہیں۔ وہ دراصل جناب چرن سنگھ کے اندر کا وہ انسان بولا تھا جو کبھی کبھی ضمیر کی آواز پر جاگ اُٹھتا ہے۔ جو کبھی کبھی تعصب اور مفادات سے بالاتر ہو کر بے اختیار عدل و صداقت کی بولی بول جاتا ہے۔ لیکن جناب چرن سنگھ نے زیادہ دیر اسے بولنے نہیں دیا۔ اس کے منھ پر تعصبات و مفادات کی سلیں رکھ دیں اور پھر وزارتِ داخلہ کے مسند نشین کی حیثیت میں جو کچھ بولے وہ پچھلے ارشادات کی بالکل ضد تھا۔ اس میں وہی مطالب و مقاصد پوشیدہ تھے جن کا علم فرقہ پرست جماعتوں نے اُٹھا رکھا ہے۔ اس میں ہی کذب و افترا تھا جس کی یلغاریں مسلمانوں پر کھلے فرقہ پرستوں کی جانب سے کی جا رہی ہیں۔

جناب چرن سنگھ تو خیر شخصیت کے اعتبار سے کچھ

زیادہ قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ جمہوریت، بے تعصبی اور عدل و مساوات کے سب سے بڑے ملجا و ماوی جناب وزیرِ اعظم پنڈت نہرو بھی اب اُس طرزِ فکر کو خاطر میں نہیں لاتے جو گاندھی جی نے اختیار فرمایا تھا۔ وقتاً فوقتاً زبانی تسلی دلاسوں اور نوازشوں کے باوجود ان کا فعل و عمل اس پر گواہ ہے کہ ملحد ہوتے ہوئے بھی وہ ہندوستان میں اکثریت کے کلچر، عقائد اور آئیڈیالوجی کو حکمراں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ وہ عوامی اسٹیجوں پر اردو کے حق میں ریکارڈ توڑ قصائد پڑھتے ہیں۔ مگر قانون کے دائرے میں اسے اس کا دستوری حق نہیں دلا سکتے اور اعلیٰ سطح کی کانفرنس میں بلا تکلف اس پر متفق ہو جاتے ہیں کہ پورے بھارت میں دیوناگری رسم الخط ہونا چاہیے۔ فسادات پر وہ صرف آنسو بہاتے ہیں۔ صرف یہ نوحہ کرتے ہیں کہ ہندوستان کا وقار گر گیا۔ اور اس صرف کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ الزام مسلمانوں کو دے ہی جاتے ہیں۔ ان کی بصیرت کا یہ عالم ہے کہ آئے دن ہونے والی مسلم کشی کے سلسلہ میں بیانڈتوں کیساتھ مولویوں کو بھی لپیٹ لیتے ہیں۔ مولوی بیچارے نے جنگ آزادی میں قوم و وطن کی جو خدمات انجام دی ہیں اس کا انعام پنڈت نہرو جیسے قوم پرستوں سے بھی اگر یہی ملے تو اندازہ کیجئے کہ قوم پرستی اب کتنے پانی میں ہے۔

حاصل یہ کہ ہندوستان میں اسلام پر کفر کی دراز دستی اگر پہلے کچھ ڈھکی چھپی بھی تھی تو اب یہ بلی پوری طرح تھیلے کے باہر آ چکی ہے اور حریدنا ملون کے باقی ماندہ پرستے شاید کفر کی پردہ پوشی کے عوض آرائش اور میک اپ کا کام انجام دے رہے ہیں۔ یہ صورتِ حال مقابلۃً زیادہ بُری نہیں۔ تاریخ کا ایک ایک ورق شاہد ہے کہ اسلام کھلے کفر و شرک سے کبھی پسپا نہیں ہوا۔ مسلمان بلا سے بارہا شکست کھا گئے ہوں۔ انھیں کچل ڈالا گیا ہو ان کے جسموں کا قیمہ بنا دیا گیا ہو مگر اسلام نہیں ہارا۔ اسلامی تعلیمات مسخ نہیں ہوئیں۔ کفر و شرک مسلمانوں کے دل و دماغ سے اسلامی عقائد کی تحریر کھرچ کر اپنے گُل بوٹے منقش کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اسلام اگر خسران و ہزیمت کا شکار ہوا ہے تو صرف اُن حملوں میں ہوا ہے جو کفر و ضلالت کو اسلام ہی کا لباس پہنا کر کیے گئے۔ جن کے عساکر منافقت کا لبادہ اوڑھ کر اسلام اسلام پکارتے آئے۔ دُور مت جائیے شریعتِ قبوری کی مثال سامنے موجود ہے۔ مسلمان فتح ہو جاتا مگر غیر اللہ کو معبود و کارساز اور دستگیر و کار فرما تسلیم کرنے کی کھلی دعوت کبھی قبول نہ کرتا۔ مگر یہی دعوت جب طریقت و تصوف کا جامہ پہن کر مشائخ و مرشدین کے جلو میں آئی اور مجوزہ شرک کی ٹھیکریوں پر اسلامی رنگ روغن کی تہیں چڑھا کر سامنے لایا گیا تو بے شمار مسلمانوں کی توحید کے گھٹنے ٹیک دیے اسلامی عقائد پر شرک و بدعت کی دھند چھا گئی۔ روشنی کے نام پر تاریکی سے رشتہ جوڑ لیا گیا۔ اسلام ہار گیا اور اس بُری طرح ہار گیا کہ آج ہند و پاک کے لاکھوں مسلمان اُن لوگوں کو وہابی اور بدعقیدہ کہتے ہیں جو اسلام کی حقیقی تعلیمات کو زندہ کرنے میں کوشاں ہیں لیکن خود کو خوش عقیدہ اور اہلسنت والجماعت قرار دیتے ہیں جب کہ شرک و بدعت نے ان کے عقیدۂ توحید کو پوری طرح معطل کر کے رکھ دیا ہے۔

مسلمان ذہنی طور پر کھلے شرک و طغیان سے مار نہیں کھاتا مگر اسلام کی قبا پہن کر آنے والا کفر و شرک اسے عموماً ذہنی فریب دے جاتا ہے۔ منطقی حیثیت سے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام سے اس کی قلبی شیفتگی بہت گہری ہے لیکن عملی حیثیت سے یہ شیفتگی جہالتِ عام کے باعث آفتِ کبریٰ سے کم نہیں ہے۔ یہی آفتِ کبریٰ ہے جو اس وقت پاکستان میں برپا ہے۔ کہنے کو اس آفت کے جلو میں قتل و غارت اور لوٹ مار کے ہنگامے نہیں۔ دیکھنے میں یہ پُر امن ہے لیکن مضمرات و نتائج کے لحاظ سے یہ اُس جارحیت سے بھی زیادہ خطرناک ہے جس سے اسلام کو ہندوستان میں واسطہ پیش آ رہا ہے پچھلے شمارے میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" کے "منصبِ رسالت نمبر" پر تبصرہ آپ نے پڑھا ہوگا۔ یہ نمبر جس آفت کے استیصال کی خاطر شائع ہوا ہے ہم اسی آفتِ کبریٰ کا ذکر کر رہے ہیں۔ یعنی انکارِ حدیث کا فتنہ۔

یہ فتنہ فی الحقیقت تو کفر و زندقہ ہی کا فتنہ ہے لیکن مشکل یہی ہے کہ یہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر رونما ہوا ہے۔ اس کے علمبردار اپنے کو اہلِ قرآن پوز کرتے ہیں اور قرآن کی زبان تک سے بے بہرہ ہونے کے باوجود انھیں فضا اور حالات ایسے سازگار مل گئے ہیں کہ ان کے مشن کو آگے بڑھنے اور پھیلنے کا موقع مل رہا ہے۔ ایک طرف نئی نسل زیادہ تر ان افراد پر مشتمل ہے جنھوں نے اسکولوں کالجوں کے زہریلے ماحول میں تربیت پائی ہے۔ جن کی معلومات اسلام کے بارے میں بے حد ناقص ہیں اور جن کی پرورش ہی ایسے انداز میں ہوئی ہے کہ ہر وہ تحریک ان کے دل و دماغ کو خوب اپیل کرتی ہے جو انھیں مسلمان رکھتے ہوئے اباحت اور آزادیِ مطلق کی راہ پر چلنے کی اجازت دیدے۔ دوسری طرف حکومت کے کلیدی مناصب پر جن حضرات کا تسلّط ہے ان میں سے بھی اکثر و بیشتر وہی ہیں جن کا اسلام مدت ہوئی مغربی افکار و تصورات کے آگے ہتھیار ڈال چکا ہے۔ جو مغربی زندگی کے چلتے پھرتے نمونے ہیں۔ جن کی مذہبی معلومات کا سرچشمہ یا تو مستشرقین کی کتابیں ہیں یا متجددین کی دجل و تلبیس سے لبریز تحریریں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "قرآن" کا لیبل لگا کر انکارِ حدیث کا جو پرانا فتنہ نئے حربوں سے لیس ہو کر سامنے آیا وہ اسیر دیکھے گئے۔ انھیں مسرت ہوئی کہ عقیدہ و عمل کے جس نفاق اور ایمانی کردار کے جس دو غلے پن کی کوئی خوشنما توجیہ ان سے نہیں ہو پارہی تھی وہ بیٹھے بٹھائے ہاتھ آگئی۔ انھوں نے بڑھ کر اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔ اس کے پیش کرنے والوں کی کمر ٹھپکی۔ انھیں بڑھاوا دیا۔ کام کرنے کے وسائل عطا کیے۔ اب حال یہ ہے کہ ساری جماعتیں تو سیاست کے حوالے سے خلافِ قانون قرار پاگئیں لیکن وہی جماعت جو اس غالی حد تک سیاسی ہے کہ "خدا اور رسولؐ" تک کا ترجمہ "مرکزِ ملت" یعنی حاکمِ وقت کرتی ہے دھڑلّے سے سرگرمِ کار ہے۔ کھل کھیل رہی ہے۔ دھومیں اٹھائے ہوئے ہے۔ جانے ہے کہ اسی کے بعض معاون اداروں کو سرکاری امدادیں بھی مل گئی ہیں اور اسی کے دسترخوان سے فکری غذائیں نوش جان کرنے والے متقدر افراد اسلام کی قبر کھودنے میں کھلے بندوں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

خوش قسمتی سے انکارِ حدیث کا فتنہ ہندوستان میں عام نہیں ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ بالکل ہی موجود نہ ہو۔ یہاں بھی اس کے برگ و بار پائے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس سے چوکنّا رہا جائے اور "منصب رسالت نمبر" جیسی بیش بہا چیزوں کو پھیلایا جائے۔ اس نمبر میں مولانا مودودی نے جس ایمان افروز اور فکر انگیز انداز میں انکارِ حدیث کی تنقید کی ہے وہ تو پڑھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے ہم یہاں صرف ایک عجیب نکتے کا ذکر کریں گے جس سے اندازہ ہوگا کہ انکارِ حدیث کے علمبرداروں کا علم و خبر کس منزل میں ہے اور کتنے بے پناہ جہلِ مرکب نے ان کے دماغوں کو تمرد و استکبار سے بھر دیا ہے۔

"منصب رسالت نمبر" کا بڑا حصہ (تقریباً دو تہائی) اُس مراسلت پر مشتمل ہے جو منکرین حدیث کی مرکزی تنظیم "بزمِ طلوعِ اسلام" کے ایک نمایاں فرد جناب ڈاکٹر عبدالودود صاحب اور مولانا مودودی صاحب کے درمیان ہوئی ہے۔ یہ مراسلت ویسے تو ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں شائع ہوتی رہی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کا وہ آخری طویل خط اس میں شائع نہیں ہوا جس میں انھوں نے خیر سے پچھلی مراسلت پر محاکمہ و استدراک کیا ہے اور اس انداز سے کیا ہے کہ تکلف اور رکھ رکھاؤ کے جو ریشمی غلاف انھوں نے ابتداءً اپنی نیت، اپنے ارادے اور اپنے جارحانہ طرزِ فکر پر چڑھائے تھے وہ سب فرطِ استکبار میں اتار پھینکے ہیں۔ یہی خط اور اس کے ایک ایک جزء پر کی ہوئی مولانا مودودی کی باوقار اور شائستہ تنقید اس مراسلت کی اہم ترین کڑی ہے جس کا پھیلاؤ اس نمبر کے ۱۲۸ صفحات تک پہنچ گیا ہے۔

جن حضرات نے اس نمبر کا مطالعہ فرمالیا ہے انھیں بھی اس نکتے کو ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لینا چاہئے جس کا ہم ذکر کرنے چلے ہیں۔ یوں تو منکرین حدیث کی علمی بے مائگی

اور جہل و بے خبری کو ناقدین پر ابر ثابت کرتے آ رہے ہیں، اور فہم قرآن کا فلک شگاف نعرہ لگانے والے ان بازیگروں کا خود قرآن ہی کی زبان سے محرومی کا یہ عالم ہے کہ اگر چند آیتیں ان کے سامنے بغیر زیر و زبر کے رکھ دی جائیں تو انکے کمانڈر انچیف سے لیکر حوالدار اور سپاہی تک سب ملکر بھی انھیں چار آدمیوں کے سامنے صحت کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے حالانکہ جن بے شمار اساطین و اکابر کو یہ مسخرے اپنی قرآن دانی کے آگے طفل مکتب قرار دیتے ہیں انکی مہارت لسانی کا یہ عالم تھا کہ اگر پورے تیس پارے بھی ان کے آگے بغیر اعراب کے رکھدیئے جاتے تو ان پر صحت کے ساتھ زیر زبر لگانے اور فر فر پڑھ ڈالنے میں انھیں اتنی بھی دشواری نہ ہوتی جتنی دشواری منکرین حدیث کو زیر زبر لگی ہوئی آیتیں پڑھنے اور نقل کرنے میں ہوتی ہے۔ یہ طعن و افترا نہیں ہے حقیقت ثابتہ ہے۔ جو خطوط ڈاکٹر صاحب نے مولانا مودودی کو بھیجے ان میں جگہ جگہ آیات بھی نقل کی گئی ہیں مگر عالم یہ ہے کہ وہ غلطیوں سے لبالب ہیں۔ ان غلطیوں کی نشاندہی مولانا مودودی نے فرمائی تو اپنے آخری خط میں جو عذر گناہ ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"آپ نے میرے خطوط میں سے بعض کتابت کی غلطیوں کو اچھال کر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں قرآنی آیات کی صحیح املا تک نہیں جانتا۔ مجھے اپنی علمی حدود کا اچھی طرح علم ہے، لیکن ذرا سوچئے کہ آپ نے جو بات کہی ہے وہ کس قدر گھٹیا درجے کی ہے۔ میرے خطوط کی کتابت کسی اور صاحب نے کی تھی۔ کتابت میں عام طور پر جو غلطیاں رہ جاتی ہیں اسکا کسے علم نہیں مجھے اگر آپ کی اس ذہنیت کا علم ہوتا تو میں ان آیات کو خود چیک کر لیتا اسکا تو آپ کو بھی تجربہ ہوگا کہ آپ کی اتنی علمیت اور احتیاط کے باوجود خود آپ کی کتابوں میں کتابت کی کتنی غلطیاں رہ جاتی ہیں کیا ان غلطیوں کی بنا پر آپ کو جاہل قرار دیدیا جائے۔"

اس کے ایک ایک جزو پر غور کیجئے۔ قرآن کا املاء تک نہ جاننے کا تاثر دینے کی شکایت وہ اس طرح کر رہے ہیں جیسے مولانا مودودی نے کوئی سفید جھوٹ بول دیا ہو۔ حالانکہ تاثر جو مجتبی دار دیا تو بالکل مسلمات میں سے ہے کہ نہ صرف ڈاکٹر صاحب بلکہ منکرین حدیث کے اکثر اکابر و اصاغر قرآن کے صحیح املاء پر قادر ہی نہیں ہیں۔ اس کا تجربہ جس کا جی چاہے اس طرح کرے کہ زیادہ نہیں صرف دس بارہ آیتیں ہی قرآن سے بغیر اعراب و آیات نقل کر کے ڈاکٹر صاحب کے حوالے کر دے اور عرض کرے کہ اس پر اعراب و آیات لگا دیجئے۔ اگر وہ صحت کے ساتھ لگا دیں تو ہم سے خط غلامی لکھوا لیجئے۔ یہ تو بڑی بات ہے، ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب سے پوچھئے قرآن میں انھیں کونسی سورت حفظ ہے۔ زیادہ نہیں تو الم ترکیف سے الناس تک تو ضرور یاد ہوگا۔ انسے کہئے ان سورتوں کو قلم مبارک سے کاغذ پر لکھ دیں۔ ظاہر ہے حفظ ہونے کی وجہ سے وہ اعراب تو ٹھیک لگا دینگے لیکن اگر وہ دیگر علامات ضروریہ بھی ٹھیک لگا دیں تو ہم منکرین حدیث کے قدموں میں پگڑی ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ کونے میں بیٹھ کر قلم چلانے والے ذرا سامنے آکر بھی تو دکھائیں کہ ان کے سینے اور کاسۂ سر میں بھی کچھ ہے یا محض نقل و اقتباس ہی پر ان کا گذران ہے۔ کمانڈر انچیف پرویز صاحب ہی کا جب یہ عالم ہے کہ آیات کے زیر زبر میں عامیوں کی طرح ناظرے کے محتاج ہیں تو تا بدیگراں چہ رسد۔

اور دیکھئے۔ مولانا مودودی اگر آیات کی تحریر میں کی جانے والی تابڑ توڑ غلطیوں کی نشاندہی فرما کر جہل کے چہرے سے نقاب اٹھائیں تو یہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک

بڑی گھٹیا بات ہے۔ اللہ اکبر۔ بڑھیا بات شاید یہ ہوگی کہ ڈاکٹر صاحب قرآن کے مطالب و معانی کو توڑنے مروڑنے کے ساتھ ساتھ اس کے اٹل اعراب و الفاظ کا بھی کسی اناڑی مستشرق کی طرح حلیہ مسخ کرتے چلے جائیں مگر کوئی اللہ کا بندہ انھیں نہ ٹوکے۔ گویا اے دے کے ایک قرآن ہی پر تو منکرین حدیث کو دعوۂ ایمان تھا وہ بھی ان کی نظر میں اس احتیاط و اکرام کا مستحق نہیں ہے کہ اسکی تلاوت یا املا میں بے دریے غلطیاں کرنے والوں کو متنبہ کیا جائے خیر آگے چلئے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ "کتابت" اگرچہ عربی لغت اور محاورے کے لحاظ سے لکھنے کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ہر تحریر پر ہوتا ہے چاہے وہ مصنف کی ہو یا ناقل کی لیکن اُردو میں یہ لفظ ایک جداگانہ اصطلاح میں رائج ہے۔ آپ جب کسی شخص کے بارے میں کہیں گے کہ وہ کاتب ہے، تو اسکا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ وہ خوش نویس یا کاپی نویس ہے۔ کسی مصنف کو کاتب کہدیجئے تو وہ مارنے کو دوڑے گا۔ اب دیکھیے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنیکی بجائے کس آن بان کے ساتھ کہتے ہیں کہ:۔

"میرے خطوط کی کتابت کسی اور صاحب نے کی تھی"

گویا مولانا مودودی کو جو خطوط انھوں نے بھیجے وہ اُردو اصطلاح کے مطابق "کتابت" کراکے بھیجے تھے۔ مولنا مودودی کی مطبوعہ کتابوں میں اغلاط کا حوالہ بھی اسی مفہوم کو مؤکد کرتا ہے۔ گویا ڈاکٹر صاحب نے سوچا کہ کاتبوں کی قوم تو غلط نویسی کے لئے بدنام ہے ہی کیوں نہ اس کی بدنامی سے فائدہ اُٹھا کر نقل و تبییض کی جگہ لفظ کتابت لکھدیا جائے تاکہ سرسری مطالعہ میں قارئین یہی سمجھ کر ان کے عذر کو معقول قرار دے لیں کہ واقعی کتابت کی غلطیاں تو عموماً کتابوں میں رہ ہی جاتی ہیں ان کا تعلق لازماً مصنف کی جہالت سے نہیں ہوتا۔

حالانکہ صورتِ حال یہ نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے جن خطوط میں املا کی غلطیوں کا طومار ہے وہ اُردو اصطلاح کے مطابق کتابت شدہ بھیجے گئے ہوں، بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب فاؤنٹین پن سے خطوط نقل کرنے والے صاحب کو "کاتب" تحریر فرمارہے ہیں، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مقولہ آج بھی تروتازہ ہے!

ایک اور گھسا ہوا مقولہ ہے "چور کا بھائی گرہ کٹ"۔ ڈاکٹر صاحب کو اگر کوئی نقل کرنے والا بھی ملا تو ایسا ہی ملا جو منکرین حدیث ہی کی طرح آیاتِ الٰہیہ کو نعوذ باللہ اپنے گھر کی لونڈی سمجھتا ہے۔ اس کی بلا کو غرض تھی کہ تکلیف کرکے قرآن اُٹھائے اور آنکھیں کھول کر صحیح نقل کردے۔ اعراب اور الفاظ کی صحت کا فکر تو اس وقت کیا جائے جب یہ بھی خیال ہو کہ ان کے بدلنے سے مفہوم خبط ہوسکتا ہے۔ آپ پہلے ہی سے کچھ من گھڑت معانی و مطالب لئے پھرتے ہوں جنھیں آیات کے حلق میں زبردستی ٹھونسنا ہو تو اس سے کیا فرق پڑے گا کہ فلاں لفظ فاعل ہے اور فلاں مفعول۔ فلاں معروف ہے اور فلاں مجہول۔ ابرار کی جگہ فجار اور اغنیاء کی جگہ اولیاء رکھ دیجئے جب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کو قرآن سے معانی نہیں سیکھنے ہیں، بلکہ خود قرآن کو اپنے معانی سکھلانے ہیں۔ لفظ کوئی بھی ہو اعراب کچھ بھی آئے معنی اس کے وہی نکلیں گے جو آپ کو نکالنے ہیں۔

پھر لطف یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ خطوط کو کسی اور سے صاف کرانے کے بعد میں نے پڑھا ہی نہیں پڑھ لینا تھا تو غلطیوں کو درست کردیتا۔ یہ صورتِ حال جس حد تک قابلِ یقین ہے اس کا فیصلہ ہر وہ شخص بآسانی کرسکتا ہے جسے اپنے کسی اہم خط کو نقل کرانے کا اتفاق پیش آیا ہو۔ قرینۂ عادیہ کے بالکل خلاف ہے کہ ہم کسی اہم اور بلند پایہ علمی موضوع پر لکھے ہوئے ایسے خطوط جنھیں پریس میں بھی آنا ہو دوسروں سے نقل کرائیں اور نقل کے بعد ان پر ایک نظر بھی نہ ڈالیں۔

مگر اسے باور ہی کرلیا جائے تو ذرا سوچئے ایسے

غیر محتاط، لاابالی اور غیر ذمہ دار حضرات کا مجتہد اور مفسرِ قرآن بن جانا اس وسیع و بسیط شریعت اور آسمانی دین کے لئے کس قدر خطرناک ہوگا جس میں اجتہاد و تفقہ کے لئے علم سے کم اتنی بیدار ذہنی، حاضر دماغی اور حزم و احتیاط تو ضروری ہے ہی جتنی کسی پیچیدہ مشین پر کام کرنے والے آپریٹر میں ہونی چاہیئے۔ چھپی ہوئی کتابوں میں غلطیاں کاتب اور مصحح کی چوک کے علاوہ سنگ ساز کی غفلت سے بھی ہو جاتی ہیں۔ نیز کتابت شدہ کاپیوں کی تصحیح خود مصنف ہی کرے یہ ضروری نہیں سمجھا گیا ہے لیکن خطوط میں غلط سلط آیتیں لکھنا اور پھر ناقل کو "کاتب" کہہ کر اپنی جہالت کو دوسروں کے سر تھوپنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تو منکرین حدیث کی بے علمی کے نمونے تو آپ کی نظر سے گزرتے ہی رہتے ہیں مگر وہ ہمہ گیر قسم کا نمونہ جو ڈاکٹر صاحب نے اپنے آخری خط میں پیش کیا ہے اس لائق ہے کہ اسے اپنی محراب یادداشت میں ہمیشہ کے لئے آویزاں کر لیجئے۔ تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

مولانا مودودی سے مختلف علمی مسائل میں بہت سے علماء کو جو کچھ بھی اختلافات رہے ہوں، لیکن حدیث کے دین میں حجت ہونے کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں کسی بھی عالم کو اختلاف ہو۔ (عالم ہم نے انسانی زبان میں بولا ہے۔ اگر کسی گدھے کا نام عالم رکھ کر اس کی زبان سے کچھ کہلوا دیا جائے تو ہم ذمہ دار نہیں) منکرین حدیث کے رد اور حجیت حدیث کے اثبات میں جو کچھ بھی مولانا مودودی نے اپنے جوابی خطوط میں لکھا ہے وہ شرق سے لیکر غرب تک تمام علماء و فضلاء کے دل کی آواز ہے۔ آیات سے جو استدلال انھوں نے حدیث کے ماخذِ دین ہونے پر کیا ہے وہ ان کی جدّت نہیں بلکہ وہ تو سلف سے چلا آ رہا ہے۔ قرآن کے علاوہ بھی وحی کا پایا جانا اور اس کا واجب التعمیل ہونا مولانا مودودی کا انفرادی دعویٰ نہیں، بلکہ وہ تو ہزاروں ہزار علماء و اکابر کا ایمان و یقین ہے۔ دورِ رسالت سے آج تک تمام سابقین اعلام تمام ائمہ و مجتہدین تمام فقہاء، تمام اتقیاء، مشائخ، محدثین اسی دعوے کے علمبردار رہے ہیں۔

لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے خط میں جگہ جگہ جس چھچھورے اور پست انداز میں مولانا مودودی کو للکارا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیرہ سو سال کے دینی لٹریچر سے انھیں واقفیت تو کیا ہوتی اجمالاً بھی یہ تک نہیں معلوم کہ جس موضوع پر وہ مولانا مودودی سے سرگرداں رہے ہیں وہ نیا نہیں ہے۔ اس پر بہت ذخیرہ پہلے سے موجود ہے اور جو موقف مولانا مودودی کا ہے وہی موقف تمام اسلاف کا رہا ہے۔

بات نمونوں سے واضح ہوگی۔ مثلاً ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:-

> "اس خط میں میرا مقصد ان الجھنوں کا بیان کرنا ہے جو آپ کے اس قدر طول طویل جوابات نے پیدا کر دیں، بلکہ بڑھا دی ہیں۔ اور ان غلطیوں کی طرف اشارہ کرنا ہے جو قرآن کریم کو سمجھنے میں آپ سے سرزد ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے (میری قرآنی بصیرت کے مطابق) آپ اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ان عوام الناس کا بھی جو آپ کی وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں۔" (ص ۱۲۸)

اب سمجھئے۔ گفتگو قرآن کریم کی اس پوری تفسیر کے بارے میں نہیں جو مولانا مودودی "تفہیم القرآن" کے نام سے کر رہے ہیں۔ اس میں تو یہ ہو سکتا ہے کہ کسی آیت کی تفہیم میں مولانا نے کوئی نیا اسلوب اختیار کیا ہو جو عام مفسرین سے مختلف ہو اور زید اٹھ کر کہہ دے کہ یہ گمراہی ہے۔ لیکن یہاں گفتگو صرف ان آیات کی تفسیر میں ہے

جن سے قولِ رسول ؐ کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے اور جن سے مولٰنا نے اپنے خطوط میں استدلال کیا ہے۔ اب اگر ڈاکٹر صاحب کو یہ علم ہوتا کہ ان آیات کی تفسیر پچھلے تمام مفسرین نے بھی یہی کی ہے اور ہر دور کے تقریباً تمام مسلمان اسی تفسیر کو عینِ ایمان سمجھتے چلے آرہے ہیں تو وہ ایسی بات ہرگز نہ کہتے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی دانست میں یہ تفسیر آج مولانا مودودی ہی نے کی ہے اور بس وہی تھوڑے سے عوام اس کو قبول کر کے گمراہ ہوئے ہیں جو مولٰنا کے معتقد ہیں۔

دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو :-

"مجھے اس کا اندازہ تو پہلے ہی ہو گیا تھا کہ آپ قرآنِ کریم سے کس طرح نابلد ہیں لیکن اس سوال کے جواب میں آپنے جس طرح قرآن کا "جھٹکا" کیا ہے اس سے آپ کی جرأت ضرور قابلِ داد نظر آتی ہے" (صـــ۱۹۳)

سمجھے آپ - یہ وہ فلک رسیدہ قرآن داں کہہ رہا ہے جو دو چار آیتوں کا املا تک صحیح نہیں کر سکتا اور کس تصور کے بارے میں کہہ رہا ہے ؟ — اس کے کہ مولانا مودودی نے متعدد آیات نقل کر کے ان کی تفسیر اور شانِ نزول کے ذریعہ یہ واضح کیا ہے کہ وحیِ الٰہی قرآن سے باہر بھی ہے۔ اب اگر ڈاکٹر صاحب کو ہوا لگی ہوتی کہ پچھلے تمام مفسرین و ائمہ ان آیات سے یہی ثابت کرتے آئے ہیں اور امت کے سابق و لاحق اربوں کھربوں افراد کا اسی پر ایمان رہا ہے تو یہ احساس انھیں ضرور قلم کو لگام دینے پر آمادہ کر دیتا کہ مولٰنا مودودی کو نابلد اور جھٹکے باز قرار دینا تو ساڑھے تیرہ سو سال کے تمام اعیان و اساطین کو کھلی گالی دینے کے مرادف ہے

تیسرا نمونہ دیکھئے :-

"آپ کی اس قرآن دانی پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ بندہ نواز کتاب و حکمت میں واؤ عطف کی نہیں" (صـــ۲۰۲)

یہاں بھی وہی کنویں کے مینڈک والی کم نگاہی کام کر رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب سمجھے ہیں کہ کتاب و حکمت کے واؤ کو عاطفہ ماننے کی جدّت مولانا مودودی ہی نے کی ہے۔ لہٰذا اس انداز میں تنبیہ فرما رہے ہیں جیسے عربی کا کوئی امام کسی مبتدی کے وسوسے پر تنبیہ کر رہا ہو حالانکہ اسلاف کے وہ مفسرین بھی جنھوں نے ڈاکٹر صاحب کی طرح انگریزی پڑھ کر قرآن کی تفسیر نہیں کی بلکہ علوم عربیہ میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے بعد قرآن کی طرف متوجہ ہوئے یہی کہتے آرہے ہیں کہ "کتاب و حکمت" میں واؤ عطف کا ہے۔

خیر سے واؤ عاطفہ اور واؤ تفسیری کی بحث اٹھا کر ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی پوز کرنا چاہا ہے کہ اپن جانب عربی نحو میں بھی نظر رکھتے ہیں۔ حالانکہ ایسی شیشہ گری ان لوگوں کے لئے مضحکہ خیزی ہے جو دو چار آیتوں پر اعراب بھی نہ لگا سکتے ہوں۔

حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ مولوی اسلم جیراجپوری جیسے بعض بقیر دوں نے کچھ علمی اثاثہ چھوڑا ہے جسے منکرینِ حدیث بوقتِ ضرورت کام میں لے آتے ہیں اور مظاہرہ یہ کرتے ہیں کہ جیسے وہ بحرِ علم میں غوطہ لگا کر یہ دور کوڑی خود ہی لائے ہوں۔

اور دیکھئے - مولانا مودودی سے فرمایا جا رہا ہے :-

"کچھ تو اللہ میاں سے شرم کرو تم اسکے آخری دین کو یوں اضحوکہ بنائے ہوئے" (صـــ۱۹۰)

وہی بات - ڈاکٹر صاحب یہ سمجھے ہیں کہ اللہ کے رسول ؐ نے قرآن سے باہر جو احکامات دیئے ہیں انھیں دین میں حجت سمجھنا اکیلے مولانا مودودی ہی کی جدّت طرازی ہے جس سے دین کا اضحوکہ بن گیا ہے۔ حالانکہ چودھویں صدی کے انگریزی داں مفسرین کے علاوہ آج تک کے تمام مفسرین و ائمہ نے یہی موقف اختیار کیا ہے اور مولٰنا مودودی ہی کی طرح انھیں بھی دین کو اضحوکہ بناتے ذرا شرم نہیں آتی۔

اور دیکھئے:-

"اللہ امت کو آپ جیسے مفسروں کی گمراہی سے محفوظ رکھے جو محض اپنی تفسیریں بیچنے کے لئے قرآن سے اس طرح مذاق کر رہے ہیں"

گویا وحی غیر متلو کے ثبوت میں قرآنی آیات پیش کرنا ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں ایسی گمراہی ہے جو پہلے پہل مولانا مودودی نے اختیار کی ہے۔ حالانکہ یہ گمراہی اتنی ہمہ گیر ہے کہ معدودے چند سرپھروں کے سوا امت میں کوئی اس سے نہیں بچا۔ صحابہؓ، تابعین، ائمہ، فقہا، مفسرین سبھی اس عقیدے پر متفق ہیں کہ وحی غیر متلو دین میں حجت ہے اور قرآن اس کا اثبات کرتا ہے۔

یہ گنتی کے چند نمونے ہم نے پیش کئے۔ ان کا سارا ہی خط اناولا غیری کی شاندار مثال ہے۔ وہ طنطنہ، وہ ہمہمہ، وہ غرّہ، وہ گھمنڈ کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ آپ اگر ایسے جہل و بے خبری نہیں مانتے، بلکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معلوم تو ڈاکٹر صاحب کو بھی ہے کہ حجیت حدیث کے حق میں جو استدلال مولانا مودودی فرما رہے ہیں وہ نیا نہیں، جو تفسیر قرآن اس بحث کے ذیل میں انھوں نے کی ہے وہ اچھوتی نہیں بلکہ اسلاف اس پر متفق ہیں، لیکن یہ معلوم ہونے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کا خیال یہ ہے کہ اسلاف سب کے سب جاہل مطلق تھے، بے عقل تھے، دین سے بے بہرہ تھے۔ عالم ہم ہیں، عقل ہمارا حصہ ہے، دین کا تمام بہرہ ہمارے ہی کالبد میں سمایا ہے تو پھر ہلکی سے ہلکی جو بات ایسے حضرات کے لئے کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ - یہ آیت بے شک کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک کے تمام ائمہ و فقہاء، تمام اساطین و اکابر، تمام اعلام و اقطاب اور پوری کی پوری امت کے متفق علیہ عقائد اور عقل و ادراک کو ذلیل کرنا کفر نہیں ہے تو پھر دنیا میں کوئی کافر نہیں ہے۔ کفر کے لفظ کو دین کی لغت سے خارج کر دینا چاہیے۔ ہم ان مولویوں میں نہیں ہیں جو ذرا ذرا سی باتوں پر کفر کے فتوے دیتے پھریں، لیکن کان کھولکر سن لیجئے کہ اختلاف معمولی نہیں ہے۔ ہوشیار باش کہ پوری امت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حیثیت پر متفق چلی آ رہی ہے اس کا انکار کفر ہی نہیں بدترین منافقت ہے کفر میں تو اونچی نیچی ڈگریاں بھی ہیں مگر منافقت میں کوئی ڈگری نہیں۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

(مولانا) آزاد کی کہانی
(خود) آزاد کی زبانی

بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی۔ قیمت چھ روپے

تخریب و تعمیر از:- جناب نعیم صدیقی
قیمت تین روپے۔

مسئلہ سود از:- مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
جس میں جاہلیت عرب کے ربٰوا اور مہاجنی سود پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے سود کی اقتصادی تباہ کاری کا اثبات کیا گیا ہے۔ قیمت سوا روپیہ۔

اُردو کا مقدمہ ایک ایسی عدالت کی کہانی جہاں آپ کو شعراء بھی ملیں گے اور ادیب بھی، نیتا بھی ملیں گے اور صحافی بھی، اُردو کے وکیل اور وکیل مخالف کی دلچسپ بحثیں اور دوسرا معلومات افزا مواد۔ قیمت ایک روپیہ۔

راہِ عمل از:- مولانا جلیل احسن ندوی۔
ایمانیات، عبادات، معاملات اور تمام ہی شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں رسول اللہؐ کی ہدایات کا ایمان افروز مجموعہ۔ احادیث مع شرح قیمت پونے چار روپے۔

دنیائے اسلام کے مشہور مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی دو کتابیں

علیؓ — تاریخ اور سیاست کی روشنی میں۔ ساڑھے تین روپے

عثمانؓ — تاریخ کی روشنی میں۔ چھ روپے

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

دین کی حفاظت

مسلم خواتین کو کس طرح زندگی گذارنی چاہیے
اور اسلام کی رو سے ان کے فرائض
اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اس کی توضیح
میں یہ کتاب نہایت عمدہ ہے۔ اپنی
بیویوں، لڑکیوں اور بہنوں وغیرہ کو
پڑھوائیے قیمت
ایک روپیہ

رحمت عالم

سیرت کے موضوع پر مولانا
سید سلیمان ندوی کی بہت
مشہور کتاب ڈیڑھ روپیہ

حقیقت عبودیت

عبادت کیا ہے؟ اللہ کی محبت
کسے کہتے ہیں، حب رسول کی حقیقت
کیا ہے؟ ایسے اہم سوالات کے مدلل جوابات
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے قلم سے جسکی
اردو ترجمانی سلیس زبان میں کی گئی ہے
ایک روپیہ ۳۵ نئے پیسے

سید الشہداء حضرت حمزہؓ

رسول اللہؐ کے محترم چچا حضرت حمزہؓ
کے سوانح جنھیں سید الشہداء کا لقب
عطا کیا گیا۔ بارہ روپے۔

خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت

سرکارِ رسالتؐ اور صحابہؓ کے وہ
رقت انگیز حالات جو دلوں کو پگھلانے
کیلئے اکسیر کا حکم رکھتے ہیں (امام الدین
رام نگری کے قلم سے) (ایک روپیہ)

رحمۃ اللعالمینؐ

رسول اللہؐ کی عظمت و
رفعت کا اثبات
غیر مسلم اہلِ نظر کی شہادتوں سے
تین آنے
۳ر

تذکرہ حضرت ایوب علیہ السلام

اللہ کے پیغمبر سیدنا ایوب علیہ السلام کی
سبق آموز، دلچسپ اور ایمان افروز
سوانح حیات سوا روپیہ

اسلام کی تعلیم

سلیس و سادہ زبان میں اسلامی عقائد
اور ضروریاتِ دین کی دل نشین تفصیلات
جناب محمد عبد الحیٔ صاحب کے قلم سے۔
ایک روپیہ چالیس نئے پیسے

دین کی خدمت

مسلمان مردوں کی
ذمہ داریاں کیا ہیں؟
اور ان کی زندگی کن
خطوط پر گذرنی چاہیے؟
ایک روپیہ

دین کی باتیں

محمد عبد الحیٔ صاحب کے دل کش
اور شستہ قلم سے دینی اصول و حقائق
کی روح پرور تعلیم و توضیح۔ قیمت
پونے دو روپے

سائنس اور ضابطۂ حیات

سائنس کیا ہے؟ اس میں اور دین میں کیا تعلق ہے
اس کے بارے میں اسلام کیا عقیدۂ فکر دیتا ہے؟ ان
سوالات کے تحقیقی جوابات۔ ڈیڑھ روپیہ

مؤطا امام محمدؒ

ایک ہزار سے زائد احادیث کا قدیم و مستند مجموعہ جن کے
راوی امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید امام محمدؒ ہیں۔ اصل اور
ترجمہ آمنے سامنے۔ مجلد آٹھ روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یو پی)

التکشف عن مہمات التصوف: تصوف کے موضوع پر حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی مبسوط تصنیف۔ مجلد دس روپے بارہ آنے

مستقل عنوان **عامر عثمانی**

تفہیم الحدیث

صلہ رحمی

ایک ایسا معاشرہ ظہور میں لانے کے لئے جس کے افراد ایک دوسرے کے مونس و غمگسار اور رنج و راحت کے شریک اور معاون و دمساز ہوں اسلام نے بہترین تعلیمات دی ہیں۔ ان میں سے ایک بیحد اہم اور بنیادی تعلیم صلہ رحمی ہے۔ صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خون کے رشتے سے ہمارے قرابت دار ہیں ہم ان کے حقوق ادا کریں۔ ان کی ضرورتوں اور مصیبتوں میں کام آئیں۔

صلہ رحمی کا معاملہ صدقہ و خیرات جیسا نہیں ہے۔ صدقہ و خیرات کا درجہ نوافل کا ہے۔ لیکن صلہ رحمی واجب ہے۔ اس سے لاپرواہی برتنے والا عنداللہ گناہگار ہوگا۔ جو صدقات فرض و واجب ہیں ان میں بھی اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے۔ بعض حالتوں میں زکوٰۃ کا دہرا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً آپ زکوٰۃ ایک ایسے رشتہ دار کو دیں جو محتاج و مسکین ہے اور ادائیگی زکوٰۃ میں صلہ رحمی کی بھی نیت رکھیں تو انشاء اللہ ثواب و اجر میں اضافہ ہوگا۔ اگر زکوٰۃ کسی اور کو دے چکے یا زکوٰۃ آپ پر فرض ہی نہیں ہے۔ لیکن کوئی رشتہ دار بے حد ضرورتمند ہے تو یہ مت سمجھئے کہ اپنی استطاعت بھر اس کی مدد کرنا محض ایک مندوب و مستحب نیکی ہے جسے نہ کیا جائے تو آخرت کی باز پرس کا خطرہ نہیں یہ مدد آپ پر شرعاً واجب ہے اور غفلت برتیں گے تو گناہگار ہوں گے۔ صلہ رحمی کا وجوب کس طرح پورے معاشرے کو اخوت و مودت اور رفق و موانست سے لبریز کردیتا ہے اس کا اندازہ معمولی سے غور و فکر سے ہر شخص کرسکتا ہے۔

عن ابی هریرة قال :۔ اتی رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال :۔ یا رسول اللہ ان لی قرابة اصلهم ویقطعون واحسن الیهم ویسیئون الیّ ویجهلون علیّ واحلم عنهم :۔ قال لئن کان کما تقول کانما تسفهم الملّ ولا یزال معك من اللہ ظهیر علیهم ما دمت علی ذلك (اخرجه مسلم واحمد وابوعوانة وابن حبان)

ترجمہ :۔

"ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "اے اللہ کے رسولؐ میرے عزیز و اقربا کا حال یہ ہے کہ میں تو ان سے حسن سلوک سے پیش آتا ہوں مگر وہ بدسلوکی سے جواب دیتے ہیں اور میں ان کے حق میں بھلائی کرتا ہوں مگر وہ میرے حق میں برائی کرتے ہیں اور میرے ساتھ جاہلانہ طرز پر پیش آتے ہیں جبکہ میں ان کے ساتھ حلم و بردباری کا برتاؤ کرتا ہوں"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم کہتے ہو اگر صورت حال یہی ہے تو سمجھ لو کہ تم گویا ان کو راکھ پھنکا

رہے ہو۔ جب تک تم اپنے طرزِ عمل پر قائم رہو گے اللہ کی طرف سے ان کے بالمقابل تمہارے لئے ایک مددگار متعین رہے گا۔
نوٹ:۔ ہم نے یہ روایت امام بخاری کی الادب المفرد سے لی ہے۔ مسلم میں یقطعون کی جگہ یقطعونی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے بھی مسلم ہی کا اتباع کیا ہے۔ مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

تفہیم:۔

مَلّ گرم راکھ (بھوبل) کو کہتے ہیں۔ کَاَنَّمَا تُسِفُّہُمُ الْمَلّ کا مفہوم امام نوویؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ گویا تم انھیں گرم راکھ کھلا رہے ہو۔

ملا علی قاریؒ نے اس تشبیہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب قرابت دار شکر گذاری نہیں کرتے بلکہ اُلٹی بدسلوکی اور ناقدری کرتے ہیں تو تمہارا بطور امداد دیا ہوا مال انھوں نے اپنے حق میں خود مال حرام بنا لیا ہے اور اسے کھانے کا مآل یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔

ایک اور اندازِ تعبیر بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہ احسان کرنا ایک برتر اور اعلیٰ وصف ہے جس سے نہ صرف آخرت کا اجر ملتا ہے بلکہ انسان کے کردار میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اگر احسان کرنے والا کبر و نخوت سے بلند ہو کر اللہ کی رضا کو مقصود بنالے تو ضرورتمندوں پر احسان کرنے سے اس کے قلب و روح میں انبساط و ابتہاج کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے نکوکاری کے رجحانات اور حسنِ اخلاق کے داعیوں کو جلا ملتی ہے یقین کیجئے صرف اللہ کے لئے اس کے بندوں پر احسان و ایثار کرنے اور طبیعت کو دنیاوی مال و منال سے مستغنی بنا لینے سے جو کیف و اہتزازِ روح و قلب کو میسر آتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ احساسِ مسرت بالکل ہیچ ہے جو کسی دنیا پرست کو بہت بڑا خزانہ ملنے سے نصیب ہوتا ہے۔ تجربات اور مشاہدے اس حقیقت پر شاہدِ عادل ہیں کہ حقیقی راحت و طمانیت متاعِ دنیا سے استغناء اور رضائے الٰہی کی والہانہ لگن ہی میں ہے۔ ضرورت مندوں پر احسان کرنا بھی اسی لگن کا ایک پہلو ہے۔ غالباً اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے:۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔	ہرگز نیکی کا مقام بلند نہ پا سکو گے جب تک اپنی پیاری چیزیں سے کچھ (اللہ کی راہ میں) نہ خرچ کرو۔ اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

+ + + +

احسان کرنے والے کے مقابلہ میں وہ شخص جس پر احسان کیا گیا ہے قدرتاً ایک نسبتاً نیچے مقام پر پہنچا ہوا ہے۔ اگر وہ احسان کے بدلے میں شکر گذاری کا ثبوت دیتا ہے جب تو خیریت ہے، لیکن اگر ناشکری کرتا ہے تو اس کے باطن میں سیاہی اور قلب و روح میں کبیدگی کا اضافہ ہوتا ہے۔ مادیت کے اسیر تو ایسے نکتوں پر تمسخر ہی فرمائیں گے لیکن جن لوگوں کے دل و دماغ میں مادہ پرستانہ طرزِ فکر نے پوری طرح نفوذ نہیں کیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ آدمی جس حد تک اخلاقی رذائل میں مبتلا ہوگا اسی نسبت سے اس کی قلبی طمانیت غائب ہوتی چلی جائے گی اور مادی نعمتوں کی فراوانی کے باوجود اسکی مسرتیں انتہائی بے وزن اور سطحی ہوں گی۔ اس کے برخلاف اخلاقی فضائل میں اضافہ احساس کے مراکز کو اضطراب و انتشار کی گرد سے پاک و صاف کرتے ہوئے طمانیت اور حقیقی مسرت کا ملجا و ماویٰ بنائے گا۔

جو قرابت دار تمہارے حسنِ سلوک پر شکر گذاری کی بجائے بدسلوکیوں اور بدنہادیوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں تم اگر ان کے ذہن و قلب کی کیفیتوں کو دیکھ سکتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ان کے اندر رشک و حسد اور غم و غصے کے اذیت ناک احساسات طوفان اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی محرومیوں پر بُری طرح کڑھ رہے ہیں اور تمہارے مقابلے میں خود کو ذلیل و حقیر محسوس کرکے جلے بھنے ہیں کا شکار ہیں۔ تم ان پر انفاق کرتے ہو تو اگرچہ اپنی احتیاج کے تحت وہ اسے قبول تو کرتے ہیں لیکن حسد کے مارے ان کے ملال و حزن میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ یہی وہ اندرونی

کیفیت ہے جیسے زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلی ہوئی تشبیہ قابلِ فہم بناتی ہے۔ ایک ایسے شخص کا تصور کرو جو بھوکا ہو۔ بھوک فرو کرنے کے لئے اسے کچھ بھی نہ ملے تو فرطِ اضطراب میں بھوبل منہ میں بھر لے۔ ظاہر ہے اس کے کام و دہن کبیدگی اور بدمزگی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کرسکیں گے اور پیٹ میں جتنی راکھ پہنچے گی وہ معدے کے لئے آفت بن جائے گی۔ پھر اگر یہ راکھ گرم بھی ہو تو جلنے کی اذیت الگ ہی۔

ہاں اگر یہ قرابت دار شکرگذار ہوتے اور تقدیر کا سامنا حسن تدبیر اور حسنِ تفکر سے کرتے تو حزن وحسد کے کانٹے ان کے دل ودماغ میں اس بری طرح نہ چبھتے اور قدردانی وشکرگذاری سے جو فضائل اخلاق بنتے ہیں ـــ ان کی اندرونی سیاہی میں اتنا اضافہ نہ ہونے دیتی کہ طمانیت اور سکون کا سایہ تک انھیں نصیب نہ ہوتا۔ خوب سمجھ لو اگر تم غریب محتاج ہو اور حلال روزی کے حصول میں پوری جدوجہد کرنے کے باوجود اللہ نے کسی مصلحت سے رزق کا دروازہ تم پر تنگ ہی رکھا ہے تو اس پہ جھلانے اور کڑھنے اور پیچ وتاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ نہ یہ کوئی ذلت اور گناہ کی بات ہے کہ تمہارا کوئی ذی استطاعت رشتے دار تمہاری مدد کردے، لیکن ذلت اور گناہ کا سرچشمہ یہ ہے کہ مدد کرنے والے کے احسان کو محسوس نہ کرو اور بجائے قدردانی کے بدسلوکی اور بےحسی پر اتر آؤ۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ محسن کا احسان نہ ماننا اور شکرگذاری سے گریز کرنا بجائے خود ایک سزا ایک لعنت ایک آفت ہے جس کا نقصان دین اور دنیا دونوں میں پہنچے گا البتہ محسن کے حق میں یہ کچھ مضر نہیں بلکہ اس پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی۔ یہ جو فرمایا گیا کہ:-

ولا یزال معک من اللہ ظہیر علیہم

اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ناشکرے قرابتدار اگر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں گے تو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے تجھے بچالے جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیرے لئے اللہ ایک فرشتہ مقرر کردے جو ان کے شر سے تیری حفاظت کرے۔

اس دوسرے مطلب پر ہمیں احساس ہے کہ آجکل کا نارسا ذہن گھٹن محسوس کرے گا۔ مادیت کے غلبے اور ایمان کے ضعف نے پڑھے لکھے لوگوں کا ذہن کچھ ایسا بنادیا ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود جن وملک کا وجود تسلیم کرنے میں ان کی آمادگی قہرِ درویش برجانِ درویش کی سی کیفیت رکھتی ہے۔ ان میں سے جو مادیت سے زیادہ متاثر ہیں وہ تو سرے سے مانتے ہی نہیں کہ اجنّہ وملائکہ ہماری ہی طرح ایک سچ مچ کی مخلوق ہیں، بلکہ لاطائل اور بارد تاویلات کے ذریعے آیاتِ قرآنیہ کو مسخ کرتے ہیں اور جو کم متاثر ہیں وہ مان تو لیتے ہیں لیکن اندازا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اس بات سے بددل اور کبیدہ خاطر ہوں کہ قرآن نے ہم سے ایسا کیوں منوالیا۔ انھیں شرم محسوس ہوتی ہے کہ اہلِ مغرب ہمیں توہم پرست کہیں گے وہ حلق سے تسلیم کرتے ہیں مگر دل ودماغ ان کے اندر ہی اندر ابا کرتے ہیں۔

لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ جن معتقدات کی تفویض اللہ اور اس کے رسول ؐ نے کی ہے ان کے بیان واظہار میں ہمیں ہرگز شرم نہیں آتی۔ ہمیں جس طرح اپنے وجود پر یقین ہے اسی طرح اس پر بھی یقین ہے کہ جن وملک ہماری ہی طرح ایک مستقل مخلوق ہیں اور اپنی مرضیات کو نافذ کرنے کے سلسلہ میں اللہ پہلے بھی فرشتوں سے کام لیتا رہا ہے، اب بھی لیتا ہے اور آئندہ بھی لیتا رہے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رشتے داروں سے حسن سلوک کا مدار اس پر نہیں کہ وہ بھی جواباً حسن سلوک ہی کا مظاہرہ کریں۔ فرماں بردار بندوں پر لازم ہے کہ اسلامی تعلیم وہدایت کی بجاآوری اور اجرِ آخرت کی خاطر صلہ رحمی کرتے رہیں۔ انسان کا طبعی تقاضا ہے کہ جس پر وہ احسان کرے اس سے قدرشناسی کی خواہش بھی اسے ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے حسن سلوک کو محسوس کیا جائے لیکن جن لوگوں کے اعمال وافعال اللہ کے لئے خالص ہوتے ہیں اور ان کی نگاہیں آخرت پر گڑی رہتی ہیں وہ دنیاوی سود وزیاں کو حقیر سمجھتے ہوئے وہی کام کرتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پسندیدہ قرار دیا ہے

چاہے طبیعت پر کیسا ہی جبر کرنا پڑے۔ اسی کا نام ہے تزکیۂ
نفس۔ مطلوب اللہ جل شانہ کو یہی ہے کہ مومن صرف رضائے
الٰہی کو مقدم رکھے اور جب بھی رضائے الٰہی اور رضائے نفس میں
ٹکراؤ ہو جائے نفس کا سر کچل دے۔ نفس عموماً سرتابی سکھاتا

ہے اور بڑے بڑے عبادوزہاد بھی اس کی دسیسہ کاریوں سے
بہ وجوہ مطمئن نہیں ہو سکتے اسی لئے شریعت کی پابندی
آخری سانس تک فرض ہے چاہے آدمی کتنا ہی مزکّی اور بااخلاق
ہو چکا ہو۔

(باقی)

البرامکہ عالم اسلام کے نامور وزراء، خالد برمکی یحیٰی برمکی اور جعفر برمکی کون تھے، انھوں نے عہد عباسیہ میں کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان دانشور اور مدبر وزیروں کے عروج و زوال کی حیرت انگیز و عبرت خیز داستان۔ مجلّد بارہ روپے

عمر ابن عبد العزیز رح اُس خلیفہ کے مفصّل سوانح اور کارنامے جس کی حکومت کو امت خلافتِ راشدہ کا مثل تسلیم کرتی ہے۔ قیمت مجلّد تین روپے۔

مکاتیب امام غزالی رح حضرت امام غزالی رح کے ان نایاب اور گرانقدر خطوط کا مجموعہ جو سلاطین، وزراء اور اعیان امراءِ حکومت اور ائمہ و فقہائے دین کے نام لکھے گئے۔ مجلّد پونے چار روپے۔

مکاتیب سلیمان رح مولانا مسعود عالم ندوی رح کے نام مولانا سیّد سلیمان ندوی کے خطوط۔ قیمت سوا تین روپے۔

معروف و منکر (از:- نعیم صدیقی۔ ریاست و حاکمیت، سیکولر اسٹیٹ اور اسلامی تحریک جیسے مسائل پر دل آویز گفتگو۔ قیمت تین روپے۔

{مکتبہ تجلّی - دیوبند (یو۔پی)}

(نایاب اور مستند)

تفسیر معالم التنزیل اُردو (مع حواشی و اضافات)

جملہ تفاسیر کا نچوڑ۔ ترجمہ سلیس اور عام فہم مع مفید تشریحات

محی السنۃ امام ابی محمد حسین بغوی مصری کی یہ شہرۂ آفاق تفسیر صدیوں سے تمام علمائے کرام کے نزدیک مفید اور مستند تفسیر سمجھی گئی ہے پانچویں صدی ہجری سے آج تک کی کوئی تفسیر قرآن اس تفسیر کے حوالہ سے خالی نہیں۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند مولانا سعید احمد اکبرآبادی صدر شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔ اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اور دیگر علمائے کرام نے اس اہم تفسیر کو اردو زبان میں شائع کیے جانے پر اظہار مسرت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ترجمہ نہایت سلیس اور شگفتہ ہے۔

طریقۂ اشاعت ہر ماہ ایک پارہ (سو صفحے) سائز ۲۰×۳۰ کاغذ نہایت نفیس چکنا۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت فی جزو دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

فیس ممبری جو حضرات ایک روپیہ فیس ممبری ارسال فرمادیں گے ان کو پوری تفسیر مبلغ ایک روپے چار آنے فی جزو کے حساب سے دی جائیگی (محصول علاوہ)۔ اس طرح ممبران کی خدمت میں ہر ماہ مع محصول ڈاک ڈیڑھ روپے کی وی۔پی کی جائیگی۔ اگر پانچ دوست ایک جگہ پانچ پارے منگائیں گے تو انکو مع محصول ڈاک بجائے دس روپے کے صرف آٹھ روپے کی رعایتی وی۔پی ارسال ہوگی۔ (آج ہی ممبر بنئے و ممبر بنایئے) غیر ممالک کے احباب خط و کتابت سے تفصیلات طلب فرمائیں۔

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ:- **منیجر مکتبہ ندوۃ الفرقان دیوبند**

تجلّی کی ڈاک

نادان دوست

سوال :- از یعقوب سروش - آندھرا پردیش -

۸/اکتوبر کو ریڈیو پاکستان سے صبح (ہندوستانی معیارِ وقت) اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ . . . . تَسْلِیْمًا (الاحزاب) کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے ایک واقعہ بیان کیا جلال الدین سیوطیؒ کے حوالے سے انھوں نے کہا کہ سید احمد رفاعی ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے اور فرمایا "السلام علیک یا جدّی!" قبر شریف سے آواز آئی۔ "وعلیک السلام یا ولدی" پھر مزار کے اندر سے حضورؐ کا دستِ مبارک نمودار ہوا۔ سید احمد رفاعی نے فوراً دستِ مبارک کا بوسہ لے لیا!

کیا مذکورہ واقعہ دانش و برہان کی کسوٹی پر صحیح ثابت ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو مولانا محترم نے ریڈیو پر کیوں نشر کیا؟ غالباً مولانا کا مقصد اس مکتبِ خیال کی حمایت کرنا تھا جو حیات النبی کا پُر زور قائل ہے۔ مولانا بدرِ عالم اور مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی اسی مکتبِ خیال کے حامی ہیں۔ براہ کرم مسئلہ مذکورہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ بھی بتائیے کہ کیا اس مکتبِ خیال کی حمایت جزوِ ایمان ہے؟ اور آپ کا اپنا ذاتی مسلک اس کے تعلق سے کیا ہے؟

الجواب :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں یا نہیں اور ہیں تو یہ زندگی کس نوع کی ہے؟ اس موضوع پر ابھی ماضی قریب میں جو طویل بحثیں کتابی

میں چلتی رہی ہیں ان کے بارے میں ہماری پختہ رائے یہ ہے کہ ان کا حاصل وقت کی بربادی اور فتنہ و شر میں اضافے کے سوا اگر کچھ ہے تو بس یہ ہے کہ مسلمانوں کی جو نئی نسل علماء کی طرف سے سوءِ ظن میں مبتلا کر دی گئی ہے وہ اور زیادہ بدگمان ہو جائے اور اس کے اذہان و قلوب تجدد کے گوناگوں فتنوں کو قبول کرنے کے لئے اور زیادہ آمادہ ہو جائیں منکرینِ حدیث ہوں یا ثقافتِ جدیدہ کا علمبردار کوئی اور گروہ۔ اس پر گمراہی کے فتوے لگا دینا آسان ہے۔ اسے مغربی طرزِ فکر کا حامل قرار دے کر مطعون کرنا بھی کچھ مشکل نہیں، لیکن مشکل مرحلہ یہ ہے کہ ہم خود اپنی کوتاہیوں اور غلط کوششوں کا ایمانداری سے جائزہ لیں اور دیانت داری کے ساتھ دیکھیں کہ خود ہمارے وطیروں نے فتنوں کو نشو و نما دینے اور فضا کو ان کے حق میں سازگار بنانے میں کتنا حصہ لیا ہے۔ ہم بلاخوف لومتِ لائم کہہ سکتے ہیں کہ تجدد کی ہر تحریک اور شیطان کے ہر منصوبے کو پھلنے پھولنے کا کچھ نہ کچھ سامان اُن علماء نے بھی بہم پہنچایا ہے جو نہیں سمجھتے کہ کونسا وقت کس قسم کے کاموں کے لئے موزوں ہے اور زمانے کے کونسے تقاضے ہیں جن کا لحاظ رکھے بغیر امتِ مسلمہ کو شیطان کے نئے حربوں سے بچا لے جانا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ حد ہے کہ ایسے دور میں جب کہ انکارِ حدیث کا اسلام خور فتنہ پاکستان میں قیامت اُٹھائے ہوئے ہے۔ نئی نسل کے دل و دماغ بُری طرح مسموم ہو چکے ہیں۔ معاشرہ فکر و عمل کی بدترین گمراہیوں کا مستقر بن چکا ہے، ملمع کئے ہوئے تعقل کی راہوں سے بے دینی کے سیلاب چلے آ رہے ہیں اور ابلیسی قوتیں اسلام کی بنیادی اقدار اور اساسی

تصورات پر یلغار کر رہی ہیں کتنے ہی علماء اور نیم علماء اس طرح کی دُور دراز کار بحثوں میں مبتلا ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برزخی ہے یا دنیاوی۔

یہ بحث ہی سرے سے مبتدعانہ ہے۔ صحابہؓ کے یہاں نہیں ملتا کہ کسی نے اس نکتے پر طبع آزمائی کی ہو۔ نہ کسی اور مستند ذریعے سے پتہ چلتا ہے کہ دین کے اصول واقدار سے اس کا کچھ تعلق ہو۔ ہمارے نزدیک اس طرح کے مصنوعی اور خود ساختہ مسائل پر کبھی کبھار علمی نوع کی گفتگو تو گوارا بھی جا سکتی ہے لیکن مستقل اکھاڑہ قائم کر لینا اور ایک دوسرے کو پچھاڑ کھانے کے انداز میں چھینٹوں اور سالوں زبان وقلم کے پینترے دکھانا ایسی بوالفضولی اور بے اتنی ہے جس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

آپ نے حیات النبیؐ کے مسئلہ پر ہمارا مسلک پوچھا ہے جواب یہ ہے کہ ضمنی طور پر تو ہم کچھ عرصہ قبل تجلی میں اپنے خیالات مختصراً ظاہر کر چکے ہیں، لیکن اب اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ یہ مسئلہ بحالاتِ موجودہ ایسا نہیں ہے جیسے ذہنی ترک تازیوں اور علمی موشگافیوں کا تختۂ مشق بنانے میں شمّہ برابر بھی فائدہ ہو۔ ہماری نگاہ میں "حیات النبی" کا معاملہ متشابہات میں سے ہے —— متشابہات کے پیچھے دوڑنا کسی اور کو مزا دیتا ہو تو دے ہمیں فی الوقت اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اس تمہید کے بعد ہم نفسِ سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یہ بالکل طے ہے کہ باری تعالیٰ کے اعلان اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے بعد دینی عقائد واقدار کے باب میں خوابوں کو کوئی اصولی حیثیت حاصل نہیں ہے چاہے وہ کسی بہت بڑے ولی اور قطب ہی کے کیوں نہ ہوں۔ اوّل تو یہی بات بحث طلب ہے کہ جس خواب کی نسبت حافظ سیوطیؒ نے حضرت رفاعیؒ کی طرف کی ہے وہ نسبت ہی قابلِ اعتماد ہے یا نہیں۔ حافظ سیوطیؒ بہت بڑے عالم اور شیخ تھے لیکن ان کی کتابوں میں رطب ویابس سبھی کچھ ہے۔ پھر دان کے حوالے سے کسی بات کا نقل ہونا اس کی صحت وصداقت کی ضمانت نہیں ہے

دوسرے مذکورہ روایت درست ہی ہو تو حضرت رفاعیؒ یا کسی بھی بزرگ کا کوئی خواب خود اس کے اپنے لئے تو کسی یقین وتصور کی تشکیل کا ذریعہ بن سکتا ہے، لیکن دوسروں کے لئے وہ کسی عقیدہ وخیال کا مبنیٰ قرار نہیں پا سکتا نہ اس سے احتجاج واستدلال درست ہے۔

تیسرے تفسیرِ قرآن کا معاملہ دوسرے تمام معاملات سے ممتاز ومنفرد ہے۔ اس میں مفسر کو انتہائی احتیاط ودیانت کے ساتھ معیارِ اعلیٰ کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ خواب تو کس شمار میں ہے اس میں وہ احادیث تک نہیں لینی چاہئیں جنکی صحت پر اطمینان نہ ہو۔ اس میں ہوا وخواہش کو دخیل نہیں کرنا چاہیئے۔ اس میں واعظوں جیسی بے تہہ رنگ آمیزیوں سے بچنا چاہیئے۔

چوتھے اپنے زمانے کے مزاج اور تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بھی اسی قدر ضروری ہے جس قدر حکیم کے لئے نسخے کی تجویز میں مریض کے مزاج وطبیعت کو ملحوظ رکھنا۔ ریڈیو پر تفسیرِ قرآن بیان فرمانے والے محترم مفسر کی نیت اور مقصود اگر تفسیر بیان کرنے سے یہی ہے کہ سننے والوں کے ایمان کو تقویت پہنچے اور ان کے فکر ونظر دین کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوں تو ایک حاذق وفہیم طبیب کی طرح انھیں یہ بھی ضرور دیکھنا چاہیئے کہ عوام کا عموماً اور ریڈیو رکھنے والے لوگوں کا خصوصاً مزاج ومذاق کیا ہے۔ وہ کس طرح کی چیزوں سے کیا اثر لیتے ہیں۔ کس نوع کا درس ان کا بگڑا ہوا ذہن ہضم کر سکتا ہے اور کونسا درس ان کے فسادِ باطن کو مزید فاسد کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ان کے زیغ وضلال کو کس حکیمانہ انداز میں روبہ اصلاح کیا جا سکتا ہے اور کس ہنج کی باتیں ہیں جن سے وہ چڑتے اور بدکتے ہیں۔

بحث یہ نہیں کہ حیات النبی کیا ہے اور کیا نہیں ہے بحث یہ ہے کہ غیر ضروری نکتہ سنجیوں اور دُور دراز کار

فروعات کو داخل دین کر دینے کا جو الزام تجدد پسند حضرات علماء پر عائد کرتے ہیں اور پھر اس الزام کی صداقت پر یقیناً شواہد بھی موجود ہیں تو کیا اس طرح کی تفسیریں جنہیں آیاتِ قرآنیہ کو بزرگوں کے خوابوں اور کمزور روایتوں سے جوڑ دیا گیا ہو اس الزام کو مزید تقویت دینے کے باعث نہ بنیں گی - کیا ریڈیو سننے والوں کی نوے فیصدی اکثریت ایسی تفسیروں کا استقبال خندۂ استہزاء کے سوا بھی کسی شے سے کرے گی -

سخت تعجب ہے کہ مولانا احتشام الحق مدظلہٗ جیسے فہیم بزرگ کس رَو میں ایسے اجزاء تفسیر میں شامل کر گئے اور ذرا نہ سوچا کہ ریڈیو کے ذریعہ جن لوگوں تک وہ تفسیر پہنچا رہے ہیں ان کی ذہنی حالت کیا ہے، ان کے باطنی امراض کس قسم کے ہیں اور کس انداز کا سخن ان کے مزاج سے مساعدت کر سکتا ہے -

حاصل جواب یہ کہ قرآن کی تفسیر میں اس انداز کی نکتہ سنجیوں اور روایت پسندیوں کو ہم نہایت غلط تصور کرتے ہیں اور فی زمانہ ان کا حاصل فساد و ضلال میں اضافے کے سوا کچھ نہیں - جو مفسر ان کے ذریعے اپنی بزم سخن کی آرائش کرتا ہے وہ اسلام کا نادان دوست ہے اور نادان دوستوں سے اسلام کو جتنا نقصان پہنچا ہے وہ شاید دانا دشمنوں سے نہیں پہنچا

ریڈیو پر تلاوتِ قرآن

سوال ۶:- (ایضاً)

قاری ظاہر قاسمی صاحب ریڈیو پاکستان سے جس انداز میں قرآن پڑھتے ہیں اسی طرح کوئی قاری جہری نمازوں میں قرآن پڑھ سکتا ہے؟ بعض حضرات نماز میں اس طرح کی قرأت کی ممانعت کرتے ہیں - اور بعض اس کے جواز کے قائل ہیں -

نیز قاری ظاہر قاسمی صاحب تلاوتِ کلام پاک کے دوران میں بعض دفعہ ایسے مقامات پر وقف کرتے ہیں جہاں کوئی علامتِ وقف نہیں ہوتی - کبھی کبھی تو علامت "لا" ہونے کے باوجود بھی وقف کرتے ہیں - مثلاً سورۃ فتح کا آخری رکوع ---- والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ---- یہاں وقف کیا حالانکہ یہاں کوئی علامت وقف نہیں - پھر آیت کے اگلے حصے کو رحماء بینہم سے وصل کے بغیر پڑھ لیا - (وقف اضطراری کی صورت میں قاری پچھلی آیت کے کم سے کم آخری حصے کو دہرا کر اگلی آیت شروع کرتا ہے) ---- ---- اسی طرح سورۃ نور رکوع ۵ میں ---- من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ (یہاں علامت لا ہے) مگر قاری صاحب موصوف نے وقف کیا اور وصل کے بغیر یکاد زیتھا یضئ الآیۃ .... پڑھا -

یہاں سبع عشرہ کے ایک قاری سے میں نے استفسار کیا تو انھوں نے بتایا کہ جہاں معنی نہیں بدلتے اُن مقامات پر قاری وقف کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور یہ بات صرف اُن کے لئے ہی جائز ہوگی جو عربی داں ہیں - غیر عربی داں کو علاماتِ وقف پر کاربند رہنا چاہئے ---- براہ کرم یہ بتایئے کہ کیا یہ توجیہہ درست ہے؟

الجواب:-

اصل سوال کا جواب دینے سے قبل ہم یہ ظاہر کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ ریڈیو پر تلاوتِ قرآن کے بارے میں ہمارا تأثر کیا ہے -

فرض کیجئے ایک چادر پر کچھ لوگ کئی گھنٹے تاش کھیلتے ہیں اور پھر اسی پر نماز پڑھنے لگتے ہیں تو بتایئے آپ کیا محسوس کریں گے؟ ---- ظاہر ہے تاش کی نجاست چادر سے چپکی تو نہیں رہ گئی مگر ہمارا خیال ہے پھر بھی آپ کا وجدان اسے ناگوار محسوس کرے گا کہ جس کپڑے پر بیٹھ کر تاش کھیلا گیا ہو، شطرنج لڑائی گئی ہو، گپ شپ ہانکی گئی ہو اسی پر نمازیں پڑھی جائیں - بس ایسا ہی کچھ تأثر ہمارا ہے - ریڈیو پر صبح سے شام تک جو کچھ ہوتا ہے اس کے پیش نظر ہمارے وجدان کو اس آلہ سے تلاوتِ قرآن کی آواز شستہ گھٹی سی ہوتی ہے - ایسا لگتا ہے جیسے قمار کے روپے سے مسجد بنائی جارہی ہو جیسے سینما ہال میں نماز پڑھی جارہی ہو -

لیکن یہ ہمارا ذاتی تاثر ہے جس کی حیثیت شرعی تحکیم کی نہیں۔ نہ اس کے بجا یا بیجا ہونے پر فی الحال بحث مقصود ہے اب سُنیے کہ ریڈیو پر تلاوتِ قرآن کے مقاصد ہمارے دور میں کیا ہیں:۔

(۱) قاری کا مقصد تو صرف پیسہ ہے۔ ایسا کوئی قاری ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا جو معاوضہ لئے بغیر ریڈیو پر تلاوت کے لئے آمادہ ہو۔

(۲) پروگرام بنانے والوں کا مقصود عوامی جذبات سے طفل تسلیوں کا کھیل کھیلنا ہے۔ وہ دن بھر کے لئے گانے بجانے کھیل کود اور تفریحات کا پروگرام بنانے کے ساتھ انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہونے کا فن استعمال کرتے ہیں۔

(۳) سننے والوں کے مقاصد مختلف ہیں۔ بعض اس لئے سُنتے ہیں کہ ضمیر کو تھپکی دے سکیں کہ وہ مسلمان ہیں اس لئے ان کا ضمیر چٹکی لیتا ہے کہ دن بھر راگ رنگ اور کھیل تماشوں کی خبریں سُنتے ہو تو دس پندرہ منٹ قرآن بھی سُن لو۔ یہ سستا نسخہ ضمیر کو ایک طرح کا فریب طمانیت عطا کرتا ہے۔

بعض اس لئے سنتے ہیں کہ قاری خوش الحان ہے۔ خوش الحانی سے لطف اندوز ہونا انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ اسی کے ناطے وہ سماعتِ قرآن پر بھی اپنے دس پندرہ منٹ صرف کردیتے ہیں۔ مگر وہ دراصل قرآن نہیں سُنتے لحن سُنتے ہیں اچھی سی آواز سُنتے ہیں۔

بعض اس لئے سُنتے ہیں کہ اپنے مسلمان ہونے کا احساس باقی رکھیں۔ اپنے آپ کو تسلی دے سکیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ شب و روز کے تمام لمحے وہ جن مشاغل میں گذار رہے ہیں وہ اُن مشاغل سے مختلف نہیں ہیں جن میں ایک غیر مسلم زندگی گذارتا ہے۔ ان کے معمولات میں کوئی ایسا معمول نہیں جو قطعی طور پر اسلام ہی کا مظہر ہو۔ لہٰذا احساسات کے مخفی ترین مراکز سے گاہے گاہے اُبھرنے والی تہہ نشین ملامت کو دبانے اور اپنے آپ سے چھپنے کے لئے وہ یہ آسان سی تدبیر اختیار کرتے ہیں کہ دس پندرہ منٹ ریڈیو کی تلاوت سُننے میں کھپا دیں۔

بعض معصوم اس لئے بھی سُنتے ہیں کہ انھیں ثواب کا یقین ہوتا ہے اور بعض اسلئے سنتے ہیں کہ یہ انکی قومی روایت کے عین مطابق ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ فی زمانہ جو تلاوتِ قرآن ریڈیو مروّج ہے وہ کسی بھی پہلو سے اپنے حقیقی مقصد و منشاء سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہیں رکھتی۔ ایسے پروگرام بنانیوالوں کے تعلق سے ایک سیاسی حکمتِ عملی کہیے۔ قاری کے تعلق سے "روزگار" کا نام دیجئے اور سُننے والوں کے تعلق سے تفریح ٹھیرائیے۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو اُن قواعد و ضوابط اور نکات و رموز پر بحث کرنا جنکا آپنے تذکرہ فرمایا مضحکہ خیز ہی کہلائیگا پڑھنے دیجئے جیسے پڑھ رہے ہیں مقصود تو بس اتنا ہی ہے کہ سُننے والے جھوم کے کہیں واہ بھئی واہ بہت عمدہ پڑھا اور یہ بہرحال حاصل ہے۔ ویسے ستوں باتوں کا مختصر جواب یہ ہے کہ علامت لآ اگر آیت کے اوپر ہو تو ٹھیرنا اولیٰ ہے مگر ٹھیرنا بھی ناجائز نہیں ہے لیکن لآ اگر درمیان آیت میں ہو تو ٹھیرنا درست نہیں۔ سورۂ نور کی جو مثال آپنے پیش کی اسمیں لآ درمیان آیت ہے، لہٰذا ٹھیرنا درست نہیں وصل لازم ہے۔ ہاں علامت لآ نہ ہو تو وہ بات درست ہے جو آپکے استفسار پر کسی قاری صاحب نے فرمائی۔ رہا نماز میں قاری طاہر صاحب کا انداز اختیار کرنا۔ تو یہ ہمارے خیال میں مناسب نہیں ہے نماز میں وہی رواں اور متناسب قرأت اختیار کرنی چاہیئے جو تعامل علماء میں عام ہے۔

حج اسکیم

سوال ۶۴: از محمد جعفر۔ رائچور۔

یہاں پر چند مخلص احباب مل کر ایک حج اسکیم بنائے ہیں اور اس کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ وہ اس طرح سے کہ دس افراد ہر ماہ ۲۰-۲۰ روپیہ لیں انداز کریں اس طرح سال بھر میں ۲۴۰ روپیہ ہو رہنگے اور ہر سال قرعہ اندازی ہوگی اور جنکے نام نکلیں گے وہ دو افراد حج کو جاکر آئیں گے۔ اس طرح پانچ سال میں دس افراد اس فریضے سے فارغ ہو جائیں گے۔ کیا اس اسکیم میں کوئی شرعی قباحت ہے۔ اگر ہے تو معلوم فرمائیے۔ مجھے صرف ایک چیز کھٹک رہی ہے وہ یہ کہ اس میں قرض کا پہلو شامل ہوتا ہے وہ اس طرح کہ دو افراد کی حقیقی رقم سال بھر میں ۴۸۰ روپیہ جمع ہوتی ہے مابقی ۱۹۲۰ روپیہ قرض کی رقم ہوگی جو آئندہ چار سال میں ہر ماہ ۲۰-۲۰ کے حساب سے بیباق ہوگی۔ واضح طور پر تحریر فرمائیے کہ آیا یہ طریقۂ عمل کہیں قرآن و سنت سے تو نہیں ٹکراتا؟ پورے مخلصین کا گروہ ہے اور چونکہ یکمشت رقم نہیں نکال سکتے ہیں اسلئے

یہ اسکیم نکالی ہے۔

الجواب:۔

جہاں تک فقہ کے خالص قانونی پہلو کا تعلق ہے اس اسکیم میں کوئی ایسی خرابی نظر نہیں آتی جس پر حرمت و معصیت کا اطلاق ہو سکے۔ مقصد بھی نیک۔ حصولِ مقصد کا طریقہ بھی بادی النظر میں بُرا نہیں لیکن حزم و احتیاط اور تقویٰ کی رو سے جو قباحت ہمیں اس میں نظر آئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس پر غور فرمائیں

جن لوگوں نے اس میں شرکت کی ہے وہ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ حج ان پر فرض نہیں ہے۔ فرض اس وقت ہوتا جب وہ زادِ سفر کی استطاعت رکھتے استطاعت رکھتے تو اس اسکیم میں شرکت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جب فرض نہیں ہے تو مالِ قرض سے حج ادا کرنا نفع کم اور نقصان کا خطرہ زیادہ رکھتا ہے۔ قرض لینا جائز تو یقیناً ہے لیکن اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ اسلام میں ادائیگیِ قرض کی جس درجہ اہمیت ہے اتنی کسی اور دین میں نہیں۔ جو بڑی بڑی نیکیاں تمام اعمالِ خبیثہ کو محو کر دیتی ہیں قرض ان سے بھی محو نہیں ہوتا حتیٰ کہ شہادت جیسی نعمتِ عظمیٰ بھی قرض کا کفارہ نہیں بنتی۔ جب قرض ایسی شدید چیز ہو تو ظاہر ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کو انتہائی احتیاط کے بغیر اس سے بچنا ہی چاہئے۔

پھر قرض بھی کیسا جس کی ادائیگی کے لئے چار سال درکار ہیں۔ کسے معلوم ہے کہ وہ کل زندہ بھی رہیگا یا نہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ جس تجارت یا ملازمت وغیرہ کی بنیاد پر وہ چار سال تک قسطیں ادا کرنے کا اطمینان رکھتا ہے وہ کب کسی حادثے کسی آفتِ ناگہاں کا شکار ہو جائے گی۔ یہ محض خیالی خطرات نہیں ہیں، بلکہ کچھ روز بعد ایسا ہونا عین قرینِ قیاس ہے کہ بعض لوگ پوری پابندی سے معینہ قسط ادا نہ کر سکیں یا بعض کی میت ہو جائے۔ موت کی صورت میں نہ جانے اہلِ اسکیم نے کیا طے کیا ہے۔ اگر باقی قرضہ مالِ متروکہ سے وصول کرنا طے ہوا ہے تو یہ چیز اچھے خاصے جھگڑے کا باعث بنے گی جس کے مضمرات کسی بھی "مقدمہ باز" سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

ایک اور بات قابلِ توجہ ہے کہ اس اسکیم سے حجِ فرض ادا نہ ہوگا، بلکہ یہ نفلی حج ہوگا۔ اس معنی میں کہ اگر اس کے بعد کسی بھی وقت اس شخص کو استطاعت نصیب ہو گئی تو حج اس پر فرض ہو جائے گا یہ پچھلا حج کافی نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں غیر ضروری کام کے لئے قرض کے جال میں پھنسنا حزم و احتیاط کے خلاف ہے۔ بیت اللہ اور مدینۃ الرسولؐ کی زیارت، ارکانِ حج کی ادائیگی اور شعائر اللہ کا روح پرور نظارہ اگرچہ ایسی حسین و جمیل چیزیں ہیں جن کی تمنا ہر مسلمان کے قلب میں ہونی چاہئے۔ جن کا شوق جانِ ایمان ہے جنکی خاطر اگر تکلیفیں بھی اٹھائی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں، لیکن دین کے معاملہ میں جذبات کو عقل کے تابع رکھنا ہی سلامتی کی راہ ہے۔ حج جس پر فرض نہیں ہے وہ حج کئے بغیر مر جائے تو اسے آخرت میں بازپرس کا کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن فرض نہ ہونے پر بھی قرض لیکر حج کرے تو ادائیگیِ قرض بہرحال ایک غیر یقینی امر ہے۔ مقروض مر گیا اور مالِ متروکہ ادائیگی کیلئے کافی نہ ہوا یا ورثاء نے ادائیگی پر توجہ نہ دی تو آخرت کا محاسبہ بالیقین باقی رہا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب دنیاوی ضرورتوں میں ہم قرض لیتے ہیں تو حج کیلئے قرض لینا کیوں غیر ضروری ٹھیرا؟ جواب یہ ہے کہ دنیاوی اُمور میں ہم اسی وقت قرض لیتے ہیں جب اس کی "ضرورت" ہو۔ بلا ضرورت کون بوجھ سر سے باندھتا ہے۔ حج ایک عبادت ہے نہ کہ ضرورت یہ عبادت اسی وقت لازم ہوتی ہے جب سفر کے لائق سرمایہ پاس ہو اور اہل و عیال کی کفالت کا بند و بست بھی ہو جائے۔ اگر استطاعت نہیں تو حج فرض ہی نہیں۔ فرضیت ہی کا دوسرا نام عبادت کے دائرے میں "ضرورت" ہے جو ضرورت نہیں

پالی گئی تو قرض لے کرے — اور ایسا قرض لیکر حج کی ادائگی چار سال چاہتی ہو حج کو جانا معقول بات نظر نہیں آتی۔ عاجز کی سمجھ میں جو کچھ آیا پیش کر دیا۔ اب یہ آپ لوگوں کا کام ہے کہ اسپر توجہ دیں یا نظر انداز کر دیں۔ بہتر ہو کہ کسی اور اچھے عالم یا ادارۂ افتاء سے بھی استصواب کر لیا جائے۔

اصلاح امت

سوال:۔ از سبط الحسن۔ کراچی۔

قرآن، سنت، احادیث اور تائیداتِ خداوندی سے جب دین حقہ بالکل واضح ہے تو پھر علماء دین اس قدر اختلافات کیوں رکھتے ہیں اور بات بات میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے کیوں عائد کرتے ہیں؟ مثلاً حنفی، دیوبندی، قادیانی، شیعہ اور سنی کے جھگڑے ہیں جو نہ صرف زبانی ہیں بلکہ کفر و ارتداد اور قتل و غارت تک کی نوبت آتی ہے، اور مخالفین قبر سے نعشوں کو نکال باہر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ع ۵) جب اہل کتاب سے حسن کلام اور دلائل کی حد تک سلوک کرنے کا حکم ہے تو کلمہ گو کے خلاف فتوے کیوں دیئے جاتے ہیں؟

(ب) جب دین اسلام کامل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں (جیسا کہ آیت اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور آیت خاتم النبیین سے ظاہر ہے) تو امت محمدیہ کو گمراہ نہیں ہونا چاہیئے تھا اور یہود و نصاریٰ سے مشابہت اختیار نہیں کرنی چاہیئے تھی اور اگر ایسا ہونا مقدر تھا تو پھر اس امت کی اصلاح کا کیا سامان کیا گیا؟ اگر سامان کیا گیا ہے تو نشاندہی فرمائیں کہ وہ کونسا سامان ہے جو امت محمدیہ کی اصلاح کر رہا ہے؟

الجواب:۔

جہاں تک نفس اختلاف کا تعلق ہے وہ تو صرف دین ہی کے مسائل میں نہیں دنیا کے تمام علوم و فنون میں بفرق مراتب پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پانچوں انگلیاں یکساں نہیں بنائیں اسی طرح انسانوں کے قلوب اور اذہان بھی یکساں نہیں بنائے۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف انداز میں سوچتے اور محسوس کرتے ہیں جس کی داخلی وجہ ذہنوں کی ساخت اور استعداد کا اختلاف ہے اور خارجی سبب یہ ہے کہ ماحول و تربیت کے جو عوامل انسانی فکر و فہم کا سانچہ تیار کرنے کے ذمے دار ہیں اور جن اسباب و علل پر شعور و ادراک کے زاویوں اور سمتوں کا مدار ہے ان میں یکسانیت نہیں بلکہ رنگا رنگی ہے۔ اسی لئے دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس کے متعدد مسائل میں اس کے ائمہ کے درمیان اختلاف نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس اختلاف تو ایک قانون قدرت ہے جس سے گھبرانا نہیں چاہیئے اختلاف نہ ہو تو زندگی برف ہو کر رہ جائے، علوم و فنون منجمد ہو جائیں اور انسان کی حیثیت حیوان ناطق سے زیادہ کچھ بھی نہ رہے۔

لیکن اختلاف ضرر رساں، گمراہ کن اور فتنہ انگیز اس وقت ہوتا ہے جب علم و عقل کے آسمان پر حرص و ہوا، نفس و خواہش اور عناد و تعصب کے سیاہ بادل چھا جاتے ہیں۔ ان بادلوں کے چھا جانے کے بعد ذہنوں کا رشتہ حقائق کی روشنی سے کٹ جاتا ہے۔ دماغوں میں آگ بھر جاتی ہے، دلوں کے حریم تاریک ہو جاتے ہیں۔ اب نہ تو دیانت و امانت کوئی چیز رہ جاتی ہے نہ عدل و اعتدال پہ کوئی توجہ دیتا ہے۔ اختلاف ایک گھناؤنی مخالفت اور نا پاک جنگ و جدل کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے لوگ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ کونسی فروعات ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش ہے اور کیسے اصول و مبادی ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ فرعیں اور اصلیں سب خلط ملط کر دی جاتی ہیں۔ صحت مند فکر و استدلال کی جگہ مریض جذبے اور اندھے عقیدے اپنے زہریلے ناخنوں سے عدل و دیانت کا منہ نوچ لیتے ہیں۔

اس المناک صورت حال کے پیدا ہونے میں جہاں شیطان کی دسیسہ کاریوں کا بہت بڑا دخل ہے وہیں ہمارے نفوس بھی اس کے پورے پورے ذمے دار ہیں۔ ہم نے دین کو عملی زندگی سے خارج یا نیم خارج کر دیا تو ہمارے اندر کی

وہ صلاحیتیں بھی دب کر رہ گئیں جو ترغیب و تحریص سے بھری ہوئی اس دنیا میں ابلیس کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنے کی تاب و تواں عطا کر سکتی تھیں۔ نفس مجُلے ہو گئے۔ حق پرستی کی جگہ نفس پرستی نے لے لی۔ حق یہ ہے کہ ہمارے بگاڑ کی ظاہری وجوہات چاہے کتنی ہی گوناگوں ہوں، لیکن سرچشمہ سب کا ایک ہی ہے — خدا فراموشی اور نفس پرستی۔ ایک مفتی غریب اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہے کہ شیطان غالب و کامراں کیوں ہے اور انسان مغلوب و نامراد کس لئے۔

رہا یہ سوال کہ تکمیل دین اور بعثت محمدیؐ کے بعد بھی امت محمدیہؐ گمراہ کیوں ہوئی تو اس کا بھی جواب اسی میں آ گیا۔ دین کی مثال ایک نسخۂ شفا جیسی ہے۔ نسخہ کتنا ہی اکسیر ہو، لیکن استعمال نہیں کیا جائے گا یا استعمال کیا جائے گا تو ناقص طور پر اور بد پرہیزیوں کی انتہا کر دی جائیگی تو فائدہ کہاں سے ہوگا۔ حیرت اس وقت ہوتی جب اس نسخے کو اس کی تمام قیود و حدود کے ساتھ استعمال کیا جاتا اور پھر بھی مریض امت مسلمہ کو افاقہ نہ ہوتا۔

تعجب ہے آپ کو وہ سامان اصلاح نظر نہیں آ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قیامت تک کو مہیّا فرما دیا ہے۔ قرآن آپ کے ہاتھ میں ہے جس کا ایک حرف نہیں بدلا حالانکہ پچھلے تمام آسمانی صحیفے محرّف ہو گئے۔ آگے بھی اسے کوئی نہیں بدل سکے گا کیونکہ اللہ اس کے حفظ کا وعدہ فرما چکے ہیں۔ قرآن کے بعد سنت کا نمبر ہے۔ دیکھ لیجئے پچھلے کسی بھی نبی کے اقوال و ارشادات تو کیا صحیح حالات و وقائع بھی اطمینان بخش طور پر محفوظ نہیں ہیں، لیکن حضور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک ورق آپ کے سامنے ہے۔ ان کی تعلیمات و توضیحات محفوظ ہیں۔ ان کا اسوہ ان کی سیرت اور ان کی ہدایات انتہائی محتاط اور لائق اعتماد ذرائع سے آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم تک کے احوال و آثار آپ کے مطالعے میں ہیں جن سے قرآن و سنت کے عملی مفاہیم اور مقاصد و مطالب واضح تر ہو جاتے ہیں۔ پھر آخر کونسا سامان اصلاح ہے جس کے آپ طالب ہیں اور جس کے تصور میں آپ بالکل سامنے کی حقیقتیں تک نظر انداز کر رہے ہیں۔

معاف کیجئے گا۔ آپ نے اپنے اس خط میں تو سوال کئے ہیں جن سب کو یکبارگی شائع کرنا عام گنجائش کی بنا پر ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے بعض سوال کچھ اسی نوع کے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک ابھی تک یہی بات فیصلہ طلب ہے کہ اگر کوئی شخص آج دعوٰۂ نبوت کرتا ہے تو وہ قبول کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ خود اسی سوال میں جس کا جواب میں عرض کر رہا ہوں، آپ نے قادیانیوں کو بھی امت مسلمہ ہی میں شامل کیا ہے اور مختلف مسلمان گروہوں کے ساتھ ان کا نام اس طرح لیا ہے جیسے ان کا مسلمان ہونا ایک طے شدہ امر ہو۔

پناہ بخدا! آپ کا مدعا اگر زیر بحث سوال سے سچ مچ یہ ہے کہ امت محمدیہؐ کا موجودہ بگاڑ کسی نئے نبی کا متقاضی ہے تو اس سے ہزار بار توبہ کیجئے۔ اللہ اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ دین کو واضح کر چکا۔ نسخۂ شفا اپنے تمام اجزاء اور ضروری قیود و شرائط کے ساتھ انسانوں کے سامنے موجود ہے۔ یہ عجیب مسخرا پن ہوگا کہ اس نسخے کے صحیح استعمال پر تو توجہ نہ دی جائے، لیکن نئے پیغمبر کی بعثت کا شوشہ نکال کر پہلے سے ایمان کا بھی تیا پانچا کرنے کی سعی نامسعود کی جائے۔ پیغمبروں کا کام راہ ہدایت واضح کرنا ہے، یہ کام اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ تمام و کمال اور بطریق احسن پورا کر گئے۔ اب اس راہ پر چلنا نہ چلنا ہمارا کام ہے۔ یکسو ہو کر راہ ہدایت پر چلنے سے جان تو ہم خود چرائیں لیکن اس کے نتیجے میں ضلال و زوال پیدا ہو تو ترکیب یہ تجویز کریں کہ کوئی نیا نبی آ کر ہماری اصلاح کر جائے۔ اس سے بڑھ کر سفاہت و حماقت کی بات اور کیا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حتمی عزتیت سرور انس و جن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر

پوری طرح مطمئن کرے اور قادیانی فکر و فہم کی شر انگیزی سے محفوظ رکھے۔

ہیر پھیر کی باتیں

سوال ۴:- (ایضاً)

سورۂ فاتحہ میں انعمت علیہم والے گروہ اور غیر المغضوب اور ضالین والے گروہ سے کیا مراد ہے؟ اگر انعمت علیہم والے گروہ سے نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین مراد ہیں تو یہ مدارج طے بغیر انبیاء وغیرہ کی معیت حاصل ہوگی یا پہلے مذکورہ مدارج حاصل ہوں گے پھر معیت حاصل ہوگی اور یہ مدارج اسی زندگی میں حاصل ہوں گے یا بعد وفات؟

الجواب:-

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

کے تحت بے شک مفسرین نے بعض گروہوں کا ذکر کیا ہے اور اپنی اپنی فہم کے مطابق کچھ دوسری تفصیلات بھی دی ہیں لیکن ان کی حیثیت محض علمی نکتہ سنجیوں کی ہے۔ خود نصِ قرآنی نہ کسی خاص گروہ کو معین کرتی ہے نہ اس میں ایسا کوئی ابہام ہے کہ علمی و منطقی نکتہ سنجیوں کے بغیر بات سمجھ ہی میں نہ آئے۔ ایک صاف و سادہ سی دعا ہے جسے خارجی تفصیلات و تاویلات میں پڑے بغیر خلوص و ایقان کے ساتھ دہراتے رہنا چاہئے۔

ہم بلا استکبار عرض کرتے ہیں کہ اگر واقعۃً ضرورت ہو تو سورۂ فاتحہ پر تجلّی کے پچاس صفحات بھی ہم بلا ادنےٰ تأمل بھر سکتے ہیں، لیکن جو ذہن آپ کے سوال میں جھلک رہا ہے وہ وہی ہے جسے ہم گزشتہ سطور میں ذکر کر آئے۔ قادیانی حضرات نے ایک یہ بھی شوشہ نکالا ہے کہ مفسرین چونکہ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے تحت انبیاء کو بھی شمار کرتے ہیں اور انبیاء کی معیت امتیوں کو اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب دنیا میں ان کے لئے مدارجِ نبوت کا حصول ممکن ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ محمد عربی ﷺ کے بعد بھی لوگوں کے لئے مدارج نبوت کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ پھر یہ امکان امرِ واقعہ کا روپ دھار کر مرزا غلام احمد قادیانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

العیاذ باللہ۔ یہ واہی نکتہ سنجی تو اس لائق بھی نہیں کہ اس کی تردید ہی کی جائے۔ مضحکہ خیز، لاطائل اور ہوائی استدلال ہم کہتے ہیں آپ سے کس نے کہا ہے کہ مفید عملی مشغولیتوں کے عوض ایسی دُور از کار بحثوں میں وقت برباد کیجئے جن کا حاصل وقت کی تباہی اور جن کا مبنیٰ ذہنی عیاشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کام کرنے والے فضول باتیں کرتے نہیں پھرتے شاید اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس شخص کے کوڑے رسید کرائے تھے جس نے والنازعات غرقاً کا مطلب دریافت کیا تھا۔ کوڑوں ہی پر بات اس لئے ختم ہو گئی کہ سائل کا جرم ذہنی عیاشی سے زائد کچھ نہ تھا لیکن اگر حضرت عمرؓ کو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص آیتِ قرآنیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی بیخ کنی میں استعمال کر رہا ہے تو شاید کوڑوں کی بجائے اس کی تواضع تلوار کی دھار سے کی جاتی۔

آگے آپ نے کئی سوال حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مہدیؑ وغیرہ کے بارے میں کئے ہیں اور ان کی وفات ان کی بعثتِ ثانیہ اور صداقت و ظہور کی علامات کی بحث اُٹھائی ہے نیز یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ ظہور مہدی کی ایک نشانی پچھلی صدی میں ظاہر بھی ہو چکی ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ موضوعات آپ ہی کو مبارک ہمارے نزدیک ان میں سر کھپانا کسی خاص علمی مجلس میں یا کسی حقیقی ضرورت کے موقع پر تو مناسب ہو سکتا ہے لیکن موجودہ حالات میں تجلّی کے صفحات ان سے سیاہ کرنا وقت اور قوت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ امت کے زوال و ضلال کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ منطق نہیں جانتی یا قرآنی معارف سے آگاہ نہیں ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ وہ عمل نہیں کرتی۔ تساہل ہے۔ غلط راہوں پر دوڑ رہی ہے۔ آپ ہیر پھیر کر کے اور جیا جیب کرنے نبیوں کے امکانات اُجاگر کرنے میں کوشاں ہیں

حالانکہ ایک لاکھ نبی بھی اس غلط کوش گروہ کی بیماری دُور نہیں کر سکتے جس نے طے کر رکھا ہو کہ نسخے کی افادیت اور نسخہ بتانے والے کی حذاقت کا تو ضرور اعتراف کریں گے، لیکن نسخے کا استعمال ہرگز نہیں کریں گے اور تمام وہ غذائیں نوش کرتے چلے جائیں گے جن کا مضر ہونا واضح کر دیا گیا ہے۔ رسالت و نبوت اپنے خزانے کا سب سے آخری اور قیمتی ہیرا دنیا کو دے چکی اب صرف مجددین ہو سکتے ہیں نبی نہیں۔ مجددین سے نہ کوئی صدی خالی رہی ہے نہ انشاء اللہ آئندہ رہے گی مگر اصل قانون وہی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔

مسائل فقہ

سوال:- خلیل احمد بستوی

مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں فقہ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اگر یہ مان لیا جائے کہ جملہ مسائل ان کے مدلل ہیں (حالانکہ ایسا نہیں ہے) ابن قیم نے اپنی تالیف "اعلام الموقعین" میں مذاہب اربعہ کے بہت مسائل کو بے دلیل ثابت کیا ہے۔ کتاب ہدایہ کے ۱۵۰ مسائل کو مولوی جوناگڑھی نے بے دلیل ثابت کیا ہے۔ کتاب کا نام "درایت محمدی" ہے۔ یہ حال ہدایہ کا ہے۔ تو بھی دلیل کے ہوتے ہوئے مدلول کی کیا ضرورت ہے اس تحصیل حاصل سے کیا فائدہ۔ آخر وقت کی اضاعت کیوں کرتے ہیں۔ واضح فرمائیے؟

الجواب:-

ابن قیمؒ ہوں یا مولانا جوناگڑھی۔ ان میں سے کوئی نبی نہیں تھا کہ جو کچھ یہ کہہ دیں اسے بے چون و چرا مان لیا جائے۔ تجلی کا ہر قاری جانتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ کے ہم کس قدر مدح خواں ہیں۔ ظاہر ہے ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ سے بھی ہمیں خوش عقیدگی ہی ہو گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا ہر استدلال درست ہی ہو۔ ابن قیمؒ بہت بلند پایہ شخصیت ہیں۔ ائمہ اربعہ کے بعض مسائل کی دلیلیں اگر انھیں نہیں مل سکی ہیں اور اس بناء پر انھوں نے ان کے بے دلیل ہونے کا حکم لگا دیا ہے تو اس کی وجہ خود ان کی تحقیق و تدقیق کی خامی بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض ادلّہ کی روایتیں ان سے پہلے ہی دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئی ہوں۔ گویا ائمہ نے تو دلیل ہی کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کی ہو لیکن روایت کرنے والوں نے اس رائے کا ذکر کرتے ہوئے دلیل کے بیان کا اہتمام نہ کیا ہو۔ آخر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ جن ائمہ کرام کے زہد و تقوی، حق کوشی، خشیت الٰہی اور نیکوکاری پر ساری امت کا اتفاق ہو اور یہ اتفاق اندھا دھند نہ ہو، بلکہ تاریخی شواہد کی روشنی میں علیٰ وجہ البصیرت ہو، وہ دین میں کوئی رائے بلا دلیل قائم کر لیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ دلیل ان میں سے کسی کی کمزور ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دلیل اور مدلول کے باہمی تعلق کے ادراک میں ان سے کسی نوع کی علمی یا عقلی چوک ہو گئی ہو لیکن یہ الزام لگانا کہ انھوں نے بعض مسائل طے کرنے میں سرے سے دلیل ہی کو نظر انداز کر دیا غیر موزوں جسارت ہے۔ اس کا تو مطلب یہ ہو گا کہ وہ دین میں ہوائے خواہش کو دخیل کر کے یونہی دل سے بھی مسائل گھڑ لیا کرتے تھے استغفراللہ ان سے علمی و عقلی غلطیوں کے صدور کو ممکن تصور کرتے ہوئے بھی ہم ان کے خلوص و دیانت، ان کے ورع و تقوی اور ان کے کردار و سیرت پر غبار انگیزی کرنے کو ہرگز منصفانہ قرار نہیں دے سکتے۔

مولانا جوناگڑھی نے جو کچھ درایت محمدی میں تحریر فرمایا اس کی بحث بہت لمبی ہے۔ ہم ھدایہ کو قرآن نہیں سمجھتے نہ حدیث کے مرتبے میں رکھتے ہیں، لیکن جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ درایت کے رخ پر ابوحنیفہؒ سے آگے جا سکتا ہے اور اجتہاد کے اسٹیج پر حنفی اصول و کلیات سے بڑھ کر اصول و قواعد لا سکتا ہے تو اس کی مثال ہماری نگاہ میں اس مشرقی کی سی ہے جو دعویٰ کرے کہ میں سائنس

میں امریکہ و روس کو بھی شکست دے سکتا ہوں۔ ہدایہ میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ آدمی کے کس کارنامے میں نقائص نہیں ہوتے۔ احناف میں کچھ کمزور آراء بھی بار پاگئی ہیں۔ مجتہدین سے لغزشیں بھی کی ہیں لیکن جو لوگ ان بشری کوتاہیوں کی آڑ لے کر پوری فقہ حنفی ہی کو ڈائنامیٹ کرنا چاہتے ہیں خود ان کے فکر و استدلال میں علم و استدلال کی خامیاں کب کم ہیں۔

رہا یہ سوال کہ دلائل کی موجودگی میں مدلول کے ذکر و بیان کی کیا حاجت تو یہ عجیب و غریب سوال ہے مہربان!

اصل مقصود تو مدلول ہی ہوتا ہے دلیل نہیں۔ دلائل کی حیثیت تو صرف اُن راج مزدوروں کی سی ہے جو عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ مقصود و مطلوب عمارت ہے نہ کہ راج مزدور۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ملک کے اصل دستور کی روشنی میں مجلس مقننہ ذیلی قوانین بناتی ہے اور انھیں کتابوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے تو کیا یہ سب تحصیل حاصل ہے؟ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تمام مسائل فقہ اور ان کے اساسی دلائل و مبانی کے درمیان ایسا بدیہی اور سیدھا یا افتادہ رشتہ ہے کہ ان کے دلائل و مبانی پر نظر کرتے ہی ہر کہ ومہ آپ سے آپ تمام فقہی فروعات و ثمرات سے آگاہ ہو جائے گا؟

ہم سمجھتے ہیں آپ نے اپنے سوال پر غور نہیں کیا ورنہ اس کی مضحکہ خیزی تو بالکل ظاہر و باہر ہے۔

فقہی مجموعے

سوال ۶:- (ایضاً)

ائمہ مجتہدین نے عموماً اور امام اعظمؒ نے خصوصاً جن مسائل غیر منصوص میں اجتہاد فرمایا وہ یکجا کسی کتاب میں ملتے ہیں یا نہیں اگر موجود ہیں تو وہ ہمارے لئے شمع راہ ہیں۔ اس کتاب کا نام تحریر فرمایئے۔ لیکن اگر نہیں، بلکہ وہ بکثرت کتابوں میں منتشر ہیں تو ان کو یکجا کرنے کی سعی علمائے احناف کیوں نہیں کرتے۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ امام اعظمؒ نے جو مجموعہ فقہ مرتب فرمایا تھا وہ ضائع ہو گیا۔ اس زمانہ میں مطبع کا وجود نہ تھا قلمی کتاب کا ضائع ہونا قرین قیاس ہے۔ میرا مقصود ہرگز اعتراض کرنا نہیں ہے بلکہ سمجھنا چاہتا ہوں۔ آپ کے وفور علم سے امید ہے کہ جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں گے۔

الجواب:-

کتابیں ہر نوع کی موجود ہیں۔ ہر امام کے مقلدین نے اپنے اپنے مسلک کی فقہی مجلدات مرتب کرنے میں غفلت نہیں برتی ہے اور ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں چاروں اماموں کے مذاہب جمع کر دیئے گئے ہیں مثلاً الجزائری کی کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ۔

جہاں تک فقہ حنفی کا تعلق ہے اس پر اتنا کام ہوا ہے ہر لحاظ سے کافی شافی کہنا چاہئے۔ ویسے نئے زمانوں کے تقاضوں اور ترقی یافتہ اسلوبوں کے مطابق پچھلے کام کی تہذیب و تنقیح اور آرائش و زیبائش کا دروازہ کبھی بھی بند نہ ہوگا۔ حنفی فقہ سے روشناس کرانے کے لئے علامہ سرخسیؒ کی المبسوط ہی اکیلی کافی ہے۔ قرآن کی تفسیر کے باب میں ابوبکر الجصّاص کی احکام القرآن بڑی وسیع اور کافی حد تک جامع ہے۔

امام اعظمؒ کا مرتب فرمودہ مجموعۂ فقہ ضائع ہو گیا یہ بڑی المناک تاریخی حقیقت ہے لیکن اس سے کوئی خلا فقہ حنفی میں پیدا نہیں ہوا۔ ان کے شاگردوں کی مرتب کردہ متعدد کتابیں موجود ہیں جن سے ان کے اجتہادات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔

ہماری اصلی مصیبت یہ نہیں کہ ہمارے دینی علوم کے سرمائے میں کوئی خامی کوئی کمی ہے۔ خامیاں انسان کے ہر کارنامے میں ہوتی ہیں۔ کمال و تنزیہہ تو بس وحدہٗ لاشریک ہی کا حصہ ہے لیکن ہماری مصیبت دراصل یہ ہے کہ علم ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترا۔ فقہ کے سارے دفتر ایک طرف اور وہ ایک سجدۂ والہانہ ایک طرف جو تلواروں کے سائے میں خدائے برتر کے لئے ادا ہوتا ہے۔

خانۂ خدا

سوال ۷:- از سجاد علی۔ میرودڈی۔ ضلع میدک۔
جامع مسجد قصبہ میرودڈی تعلقہ سدی پیٹھ ضلع میدک

کی تعمیر [illegible] میں مولوی داد صاحب مرحوم نے کی تھی اور سامنے ٹین کا دروازہ عام مسلمانوں نے تعمیر کیا تھا۔ باؤلی ۔ طہارت خانہ، بیت الخلا اور مسجد کے حصار کی دیوار مولوی عبدالجبار صاحب ومولوی عبدالہاشم صاحب ومولوی عبدالسلام صاحب سوداگروں نے تعمیر کیا ہے اور مولوی لعل محمد صاحب ارمیور نے مسجد کے شمالی حصار کی دیوار جو کہ منہدم ہو چکی تھی تعمیر کی ہے اور مسجد میں بڑی جانمازیں دو عدد مولوی فخر الدین صاحب سوداگر نے منگوائی ہے۔

مسجد کی خادمت کے لئے چندہ جمع کرنے پر مولوی غلام نبی صاحب مرحوم موتاڑ کو رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد مولوی عبدالرحیم صاحب مرحوم مسجد کی خدمت کرتے تھے۔ موصوف کو پولیس ایکشن تک سرکاری تنخواہ ملتی تھی۔ پھر پولیس ایکشن کے بعد سے عام مسلمان چندے کے ذریعہ مسجد کا انتظام چلا رہے ہیں۔ اب مولوی داد صاحب مرحوم کے فرزند و پوتے عام مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ یہ مسجد ہماری ہے۔ ہم مسجد کو قفل بھی ڈال سکتے ہیں اور فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ مسجد کا سارا انتظام ہم لوگ کر لیتے ہیں۔ ہمارے لوگ ہی امامت کرینگے اور ہمارے لوگ ہی اذان دیں گے۔ ہماری مسجد میں دیگر مسلمان دخل نہیں دے سکتا۔ مسجد والے اپنے آپ کو متولی مسجد کہتے ہیں۔ جامع مسجد میں کمرہ کی تعمیر اور مسجد میں بجلی کا میٹر لینے کے متعلق دس سوداگر صاحبان آمادہ ہوئے تھے لیکن مسجد والوں نے مداخلت کر کے ان کاموں کو بھی ملتوی کرایا ہے۔

مسجد والے صاحب روزانہ نماز تو نہیں پڑھتے لیکن صرف نماز جمعہ کی امامت کرتے ہیں۔ اب مسجد والے روزانہ مسجد میں نماز ظہر، عصر، عشاء میں غیر حاضر رہتے ہیں اور مغرب و فجر میں جب آتے ہیں تو امامت کرتے ہیں۔ مسجد والے مسجد کی آڑ میں عام مسلمانوں کے دینی امور میں ہمیشہ مداخلت کرتے رہتے ہیں (براہ کرم اس سلسلہ میں رہبری فرمائی جائے)

الجواب:-

مسجد ایک بار تعمیر ہو جائے تو وہ خالصۃً اللہ کی ہو جاتی ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ اسے بیچے یا اس پر مالکانہ حقوق جتائے چاہے تمام کا تمام روپیہ تعمیر میں اسی نے لگایا ہو۔ جو شخص مسجد میں قفل ڈالنے اور اسے بیچنے کا کلمہ منہ سے نکالتا ہے سخت اندیشہ ہے کہ اسے عذابِ الٰہی یکلخت دبوچ لے۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۔ اور اگر جیتے جی گرفتارِ عذاب نہ ہوا تو اندیشہ ہے کہ خاتمہ خراب ہو جائے۔ مرنے کے بعد تو بہر حال اسے جواب دینا ہی ہوگا کہ اللہ کے گھر کی تحقیر و اہانت اس نے کیسے کی؟

مسجدیں ہر مسلمان کی ملکیت ہیں اور کسی کی بھی نہیں۔ انتہا اگر کسی کو کچھ حاصل ہو سکتا ہے تو بس یہ کہ متولی بن جائے۔ مسجد کا انتظام و انصرام کرے۔ دیکھ بھال رکھے۔ نمازیوں کے لئے سہولتیں بہم پہنچائے۔ نماز بھی پڑھا سکتا ہے بشرطیکہ پڑھانے کے قابل ہو۔ ویسے تو فساق و فجار کے پیچھے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے، لیکن فاسق و فاجر کو معمولاً امام بنانا درست نہیں ہے۔ جن صاحب کا تذکرہ ہے اگر وہ کچھ وقت کی نمازیں کسی اور مسجد میں پڑھتے ہیں یا کام دھام کے سلسلہ میں جنگل وغیرہ چلے جاتے ہیں جہاں جماعت نہیں پڑھ پاتے تب تو کوئی حرج نہیں ہے کہ جن اوقات میں وہ پابندی کر سکیں نماز پڑھا دیں۔ لیکن اگر بلا عذر کے محض تساہل و غفلت کی وجہ سے وہ بعض اوقات کی جماعت کے تارک ہیں تو یہ فسق ہے۔ نماز کا ترک تو بھیانک قسم کی معصیت ہے ہی لیکن جماعت بھی ایسا امرِ واجب ہے جس کے بلا عذر تارک کو شریعت فاسق قرار دیتی ہے۔ فاسق کو معمولاً امام بنانا درست نہیں ہے

ان صاحب کے دینی اُمور میں مداخلت کرنے کا کیا مطلب ہے یہ نہیں سمجھ میں آیا۔ اگر ایسا ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ و بدعت پر ٹوکتے رہتے ہیں تب تو یہ بہت اچھی بات ہے لیکن اگر اُمورِ خیر میں حائل ہوتے ہیں تب یہ بڑا سخت گناہ ہے۔

نحوست و سعادت

سوال ۹:- از خلیل احمد ۔ نینی تال ۔

شریعت کی رو سے اس کی وضاحت فرمائیے کہ اسلام نے کسی چیز کو نحوست بھی قرار دیا ہے کہ نہیں۔ اور اگر دیا ہے

تو کن چیزوں کو۔ کیا ایک انسان بھی دوسرے انسانوں کے لئے منحوس ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کی نحوست ہے جو ہمارے حالات خراب ہیں اور لطف یہ کہ وہ شخص ان کے کھانے پینے اور رہنے سہنے میں دخل بھی نہیں رکھتا اور ان سے قطعی علیحدہ ہے اس کے گھر کے لوگوں میں کسی نوعیت سے بھی شامل نہیں۔ ایسی نوعیت میں اس کو برے الفاظ سے یاد کرنا درست ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں ہے تو ان لوگوں کو کیا کہا جائے یا سمجھا جائے اور شریعت اس سلسلہ میں ان لوگوں کو کس گناہ یا جرم کا مرتکب قرار دیتی ہے اور کیا سزا تجویز کرتی ہے۔

(وضاحت سوال) فرض کیجئے ہم کسی کو منحوس قرار دے ہی دیں تو اپنے ساتھ اسے بھی شامل کر سکتے ہیں جبکہ ہماری اور اس کی قسمتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہوں، وہ ہمارے کھانے یا کمانے میں شریک ہو مثلاً ایک گھر میں دس آدمی ہوں سب ساتھ رہتے بستے ہوں ساتھ ہی کھاتے ہوں ساتھ ہی کاروبار کرتے ہوں تب ایک کا اثر دوسرے پر پڑ سکتا ہے۔ جب تک کہ ایسا نہ ہو اس وقت تک تو کہنا بالکل غلط ہی ہے۔ میرے خیال سے خدا نے کہیں ایسا نہیں بتایا ہے کہ کسی چیز کے تجربہ سے پہلے یا کسی چیز کی تصدیق کیئے بغیر آپ اس کو غلط قرار دے سکتے ہیں اور اگر بغیر تصدیق کے مقدمہ کو فیصل کر دیتے ہیں تو وہ غلط ہی فیصلہ ہوگا۔

الجواب:۔

سعادت و نحوست کی بحثیں ایک حدیث کی بنیاد پر اہل علم کے مابین کافی ہوئی ہیں۔ عاجز اُن محققین کی رائے کو انسب سمجھتا ہے جن کا خیال ہے کہ نحوست اور وبال انسان کے اعمال بد میں تو ہے اور کسی شئے میں نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو منحوس سمجھ لینا ضعیف الاعتقادی کے سوا کسی مضبوط دلیل پر قائم نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اعمال قبیحہ میں گرفتار ہے تو اس کی صحبت بلکہ قرب تک کو منحوس قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہ نحوست کسی پُراسرار اور نامعلوم توہم پر مبنی نہ ہوگی بلکہ اسکی بنیاد اس معقولیت پر ہوگی کہ صحبت کا اثر لازماً پڑتا ہے۔ بُرے شخص کی صحبت سے اثر پذیر ہونا چونکہ ایک حقیقی اور بالکل معقول خطرہ ہے اس لئے اسے اہمیت دینا ضعیف الاعتقادی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ نیز اسی طرح نیکوکار لوگوں کو سعید قرار دے سکتے ہیں۔

حاصل یہ کہ جو شخص آپ کے طعام و قیام میں شریک نہ ہو اس کا تو ذکر کیا۔ جو شریک ہو اسے بھی خواہ مخواہ منحوس قرار دینا غلط ہے۔ رہی تجربات کی بات تو اس کی بھی اس باب میں کچھ اہمیت نہیں۔ اگر آپ قیاس کریں گے کہ میری فلاں فلاں مصیبتیں اور ناکامیاں اس شخص کی نحوست کا نتیجہ ہیں، تو یہ قیاس محض بے دلیل ہوگا اور اگر پے در پے ایسے واقعات پیش آتے چلے جائیں جن سے اس قیاس کی تقویت ہوتی جائے تب بھی یہ اتفاقات ہی کہلائیں گے۔

پیٹھ پیچھے کسی کو برے الفاظ میں یاد کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہے جب اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد ہونا متوقع ہو اور شریعت بھی اس نتیجے کو محبوب رکھتی ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہے تو غیبت گناہ کبیرہ ہے جسے اللہ جل شانہٗ نے اپنے بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی کوئی تعزیر معین تو نہیں کی گئی، لیکن عذاب الٰہی سے ڈرنے والے جانتے ہیں کہ جن گناہوں کی دنیاوی سزائیں اللہ نے مقرر نہیں فرمائی ہیں وہ اُن گناہوں سے زیادہ سخت ہیں جن کی سزائیں مقرر فرما دی ہیں۔ دنیا میں سزا مل جائے تو توقع بھی ہو سکتی ہے کہ آخرت کی سزا معاف ہو گئی لیکن دنیا میں سزا نہ ملے تو ننانوے فی صدی خطرہ ہے کہ آخرت میں ملے گی۔ آخرت کی معمولی سی سزا بھی دنیا کی سخت ترین سزاؤں کے مقابلہ میں زیادہ ہولناک ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

وعدہ

سوال:۔ از خلیل احمد۔ نینی تال۔

اسلام میں وعدہ کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کا پورا

کرنا کس حد تک ضروری ہے معاہدہ توڑنے والا اور وعدہ پورا نہ کرنے والا کس گناہ کا مرتکب ہے وعدہ کی اہمیت کیا ہے۔ جب کہ اسلام نے ایک سپاہی جو معمولی حیثیت رکھتا ہے اس کے وعدے کی پابندی اس قدر کی ہے کہ اگر وہ کسی موقع پر کسی کی جان بخشی کا وعدہ کر لیتا ہے چونکہ دوسرے کسی مسلمان کو معلوم تک نہیں ہے۔ لیکن ایک امیر سے لیکر ایک چھوٹے سے چھوٹے انسان یعنی کل دائرۂ اسلام میں ہونے والے مسلمانوں پر اس کا پورا کرنا واجب ہے، اور ایسے سیکڑوں واقعات موجود ہیں میرے خیال میں وعدہ کرنے میں کسی کا امتیاز ہی نہیں ہے۔ وعدہ بادشاہ سے کیا جائے یا فقیر سے۔ رئیس سے کیا جائے یا غریب سے۔ باپ بیٹے سے کرے یا بیٹا باپ سے۔ کافر سے ہو یا مسلمان سے وعدے کی حیثیت سب کے ساتھ برابر ہے — اس کی خوب اچھی طرح قرآن کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

الجواب:-

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وعدہ اور عہد اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، لیکن ہر وعدے کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ کسی وعدے کو ایفا نہ کرنے والا کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوا، اس کا مدار ثمرات پر ہے۔ جتنا بڑا نقصان اس وعدہ خلافی سے اُس شخص کو پہنچے گا جس سے وعدہ کیا گیا تھا اتنا ہی وبال وعدہ خلاف پر لازم آئے گا۔ لیکن معمولی قسم کے وعدے جن کو پورا نہ کرنے میں کسی کو زیاں نہ پہنچے بڑا وبال عائد نہیں کرتے۔ مثلاً آپ نے کسی سے وعدہ کیا کہ میں شام کو آپ سے ملنے آؤں گا اور اس ملاقات کا تعلق کسی اہم اور دور رس معاملے سے نہ تھا تو اس وعدے کو پورا نہ کرنا ضعف کردار کا مظاہرہ تو ضرور ہوگا، لیکن معصیت نہ کہلائے گا۔

اسلامی تاریخ کے بعض واقعات اگرچہ ایسے ہیں جن میں ایک سپاہی کے وعدے کو امیر لشکر نے لائق ایفا مان لیا ہے لیکن یہ آپ کو غلط فہمی ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے۔ مفتوح و مغلوب قوم کے کسی فرد یا افراد کے بارے میں آخری فیصلے کرنا سپاہیوں کا کام نہیں امیر کا منصب ہے۔ اگر ایک نہیں ہزار سپاہی یا ذیلی افسران کسی قوم سے اپنے طور پر کوئی وعدہ کر لیتے ہیں تو امیر کو اسکے قبول اور اس کے رد کا یکساں حق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس شخص کا جو منصب ہے اسی کے مطابق اس کے اختیارات بھی ہیں۔ اگر وہ اپنے اختیارات کے دائرے میں کوئی وعدہ کرتا ہے تب تو اُسکے آفیسران کا بھی فرض ہے کہ اس کے وعدے کا پاس کریں لیکن اگر وہ اختیارات کی حد سے بڑھ کر وعدہ کرتا ہے تو اس کی کوئی شرعی اہمیت نہیں۔ اس وعدے کو اونچے ذمہ داروں نے نبھا دیا تب تو خیر لیکن اگر نہیں نبھایا تو ذمہ داروں پر کوئی الزام نہیں، قصوروار خود وعدہ کرنے والا ہوگا۔ سپاہیوں کا کام لڑنا اور ذیلی سرداروں کا لڑانا ہے۔ غلبہ حاصل کرنے پر مغلوب قوم سے عسکری اور سیاسی دائروں میں کیا معاملہ ہونا چاہئے اس کے یہ لوگ قانوناً مختار نہیں۔ اپنے اختیارات سے باہر کے معاملات میں کوئی وعدہ کریں گے تو اسکی ذمہ داری اوپر والوں پر عائد نہ ہوگی۔

ایصالِ ثواب کے لئے تلاوتِ قرآن

سوال:- از محمد فاروق - بنارس

ہمارے یہاں باپ دادوں کے وقت سے احناف میں یہ طریقہ رائج ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو مرنے کے دوسرے دن سوا لاکھ مرتبہ لا الٰہ الا اللہ لوگ جمع ہوکر پڑھتے ہیں اور اس کا ثواب میت کو بخشتے ہیں اور تیسرے روز اجتماعی طور سے قرآن مجید کا ختم کرکے میت کو ثواب پہنچاتے ہیں اور شیرینی بھی تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن تقریباً ۲۵ برس ہوئے کہ ہم متبعین علمائے دیوبند میں ایک مقامی فاضل دیوبند بزرگ کی کوشش سے یہ رسم بند ہوگئی۔ مگر اس وقت سے اس کی جگہ یہ طریقہ رائج کیا گیا کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو تجہیز و تکفین سے پہلے اجتماعی طور سے قرآن مجید کا ختم کرکے میت کو ثواب پہنچاتے ہیں ہم متبعین علمائے دیوبند پہلے طریقہ کو بدعت سمجھ کر چھوڑ چکے ہیں اور دوسرے طریقے کو صحیح سمجھ کر آج تک اسی پر عمل کرتے چلے آتے ہیں حسن اتفاق سے مجھے ماہنامہ تجلی بابت ماہ جون ۱۹۶۱ء پڑھنے کا موقع ملا اس میں نقد و احتساب کے سلسلہ میں بدعت کی جو تعریف آپ کی ہے اسے بھی پڑھا

اور بار بار پڑھا۔ آپ کی بیان کردہ تعریف کی روشنی میں تو ہم دیوبندیوں کا یہ دوسرا طریقہ بھی غیر صحیح معلوم ہونے لگتا ہے۔ غرض بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔ براہِ مہربانی اپنے رسالہ تجلی کی معرفت واضح طور پر بیان فرمایئے کہ یہ ہمارا ایصالِ ثواب کا طریقہ کتاب و سنت کی روشنی میں فقہ حنفی کے طریقہ پر صحیح ہے یا غلط؟ سنت ہے یا بدعت؟

الجواب :-

معلوم نہیں آپ کے یہاں کس دیوبندی عالم نے اس عمل کی تلقین کی ہوگی۔ جہاں تک عاجز کے علم کا تعلق ہے سلف سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ تدفین سے قبل ہی ختم قرآن کا اہتمام کیا جائے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی وجہ سے میت کے دفن میں کچھ تاخیر ہو تو جن لوگوں کا دل چاہے وہ اپنے طور پر کچھ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دیں۔ یہ ایصالِ ثواب باقاعدہ اجتماع کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے اور اسے معمول بھی نہیں بنا لینا چاہیے۔ یعنی یہ طریقہ درست نہیں ہے کہ ختم قرآن کے بغیر میت کو دفن کیا ہی نہ جائے۔ ہاں دفن کے بعد ختم قرآن میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ایک ایسی شے کا التزام لازم آتا ہے جس کا التزام اسلاف سے ثابت نہیں۔ مرنے کے بعد میت سب سے پہلے اس کی مستحق ہے کہ اس کی تکفین کی جائے پھر نمازِ جنازہ پڑھائی جائے جو فی الاصل دعا ہے اور پھر اسے دفن کر دیا جائے۔ ان لازمی امور کو اس پر موقوف کر دینا کہ جب تک ختم قرآن نہ ہوگا یہ انجام پذیر نہ ہوں گے بدعت ہی کی شکل ہے لیکن دوسری صورت میں ایسا تو نقص ظاہر نہیں ہوتا۔ میت دفنائی جا چکی ہے۔ کوئی فریضہ کسی کے ذمے باقی نہیں ہے اب اگر ایصالِ ثواب کی نیت سے کچھ لوگ مل جل کر قرآن ختم کرتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ منشاء یہ ہے کہ جن کاموں کی انجام دہی از روئے شرع ضروری ہے انھیں ٹھیک اسی سادگی اور سہولت کے ساتھ انجام دینا چاہیے جسے شریعت نے ملحوظ رکھا ہے۔ اپنی تجویز کی ہوئی قیود و رسوم کے ذریعہ ان میں تکلف اور دقت پیدا کرنا اسلام کو محبوب نہیں ہے۔

خودرائی کا بدترین نمونہ

سوال ۱۲ :- از محمد عبد اللہ صدیقی ۔ جلسر (بارہ بنکی)

لفظ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے یا پھر مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ؟ یعنی دال کے اوپر زبر ہے یا پھر پیش؟ قرآن کے اندر تو پیش ہی ہے۔ پہلا کلمہ جو ہم پڑھتے ہیں، اس میں بھی پیش پڑھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اذان کے اندر پھر دال کے اوپر زبر کہاں سے آ گیا؟ ویسے کتابوں میں اذان جہاں لکھی دیکھی وہاں دال کے اوپر زبر ہی لکھا ہے۔ خود اذان میں دال کے اوپر پیش پڑھتا ہوں۔ براہِ کرم تحریر فرمائیں کہ صحیح کیا ہے آیا دال کے اوپر پیش پڑھنا یا زبر۔ میں سخت الجھن میں ہوں کہ جب ہر جگہ پیش ہے تو پھر اذان کے اندر پیش کہاں سے آ گیا۔

آپ کا جواب میرے لئے تسکین کا باعث ہوگا۔ لہٰذا آپ تحریر فرمائیں کہ میں غلطی پر ہوں یا پھر ٹھیک پڑھتا ہوں؟ — ہاں ایک بات اور تحریر فرما دیں تو بہت بڑی عنایت ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ قرآن پر اعراب تو بعد میں لگائے گئے۔ صحابہ کرامؓ کیا پڑھا کرتے تھے؟

الجواب ۱۲ :-

جو شخص کسی علم و فن کی ابجد بھی نہ جانتا ہو مگر محض اپنی ڈیڑھ تولہ عقل کو قاضی بنا کر فیصلے کرے اور اس علم و فن کے جاننے والوں کو نظر انداز کر دے اس کا ایسا ہی حشر ہوتا ہے جیسا آپ کا ہوا۔ زبانِ عربی ایک عظیم الشان زبان ہے اس میں ہر لفظ پر اعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) خواہ مخواہ نہیں آ جاتے، بلکہ نحوی اصول و قواعد کے تحت آتے ہیں۔ جب آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم تھا تو سعادت مندی اور اعتماد کے ساتھ اہلِ علم کا اتباع کرنا چاہیے تھا اور سمجھ لینا چاہیے تھا کہ دنیا بھر میں اذان کے جو الفاظ جن اعراب کے ساتھ مستعمل ہیں وہی یقیناً

صحیح ہوں گے ورنہ ان کا اعراب سب کے نزدیک متفق علیہ نہ ہوتا۔ اگر الجھن پیش آئی ہی تھی تو کسی پڑھے لکھے سے پوچھ لیتے وہ پل بھر میں سمجھا دیتا لیکن آپ نے کمال کیا کہ بغیر پوچھے ہی اپنی ذہنی اپج کے پیچھے چل کھڑے ہوئے۔ یہ بہت برے انداز فکر کی علامت ہے کبھی اس علم و فن میں ٹانگ نہ اڑائیے جس سے آپ قابل لحاظ حد تک واقف نہ ہوں۔ خصوصاً علوم دینیہ میں تو عقلی گدے اور ذہنی ترنگیں بڑی ہی تباہ کن ہیں۔

عربی کے درجے تین کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ جب کسی لفظ پر اِنَّ یا اَنَّ داخل ہو جائے تو وہ لفظ مفتوح ہو جاتا ہے۔ آذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ لہٰذا انّ کی وجہ سے محمدا کی دال پر زبر آ گیا آپ کی ناواقفانہ خودرائیوں کا اگر یہی عالم ہے تو قرآن میں تو قدم قدم پر آپ تبدیلیاں کرتے چلے جائیں گے۔ دیکھ لیجیے بے شمار الفاظ پر کہیں زبر آتا ہے کہیں زیر کہیں پیش۔ ایک جگہ عالم الغیب کے میم پر پیش ہے تو دوسری جگہ زیر۔ ایک جگہ الملک القدوس پیش کے ساتھ ہیں تو دوسری جگہ زیر کے ساتھ۔ خود لفظ اللہ ہی تینوں طرح بار بار آتا ہے۔ تو آخر آپ کی سمجھ کہاں چلی گئی جو آپ نے آذان میں محمدا کے زبر کو پیش بنا کر پڑھنے کی جسارت کی۔

آپ کا یہ لکھنا بھی قرآن کے معاملہ میں انتہائی بے احتیاطی پر دال ہے کہ اس میں محمد رسول اللہ بھی آیا ہے۔ پورے قرآن میں غالباً صرف ایک جگہ سورۂ فتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ الفاظ ہیں۔ بس۔ لیکن کہنا تو یہ ہے کہ جس طرح اذان میں آپ نے محمدا پر پیش لگا لیا اسی طرح شاید قرآن میں بھی وَآمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ کی تلاوت میں دال کے زیر کو یہ سوچ کر پیش سے بدل لیتے ہوں گے کہ قرآن میں اور سب جگہ تو دال پر پیش آیا ہے یہاں زیر کہاں سے آ گیا۔

میرے بھائی یہ خودرائی چھوڑیے اور جس علم و فن کے اصول و قواعد سے آپ واقف نہ ہوں ان میں اپنی رائے کو دخل مت دیجیے بلکہ اہل علم کی تقلید کیجیے۔

رہا سوال کا آخری حصہ۔ تو یہ بھی بھول پن پر مبنی ہے۔ اکثر صحابہؓ کی مادری زبان عربی تھی اور عجمی صحابہؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے رہتے عربی سے خوب واقف ہو گئے تھے۔ انھیں اس کی محتاجی نہیں تھی کہ کوئی زیر زبر بتائے۔ اور قرآن تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سیکھا تھا جس طرح مرغابی بے سکھائے بغیر بھی صحیح تیر ہی جاتی ہے اسی طرح بعد کے لگائے گئے اعراب کے بغیر بھی صحابہؓ قرآن کو صحت کے ساتھ پڑھ ہی لیتے تھے۔

حکومت سے سودی قرضہ لینا

سوال ۱۳:۔ از عارف صدیقی۔ علی گڑھ۔

آج کل عام طور پر حکومت چھوٹی صنعتوں میں سرمایہ لگا رہی ہے اور عام طور پر حکومت سے اس سرمایہ کو حاصل کرنے میں کوئی شرعاً قباحت نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ بعض مذہبی حضرات بھی حکومت سے اس قسم کے قرضے لے رہے ہیں۔ سود کی معمولی شرح سے قطع نظر وہ بڑے فوائد یہ بتلاتے ہیں کہ ہم حکومت سے جو رقم لے رہے ہیں اس میں ہمارے پیش نظر سود کا مسئلہ سرے سے نہیں بلکہ یہ قرضہ لے کر ہم کو حکومت سے سہولتیں حاصل ہوتی ہیں حکومت ہماری ضرورتوں کی کفالت کنٹرول ریٹ سے کرتی ہے جب کہ قرضہ نہ لینے کی صورت میں ہم کو خام اشیاء بلیک مارکیٹ سے خریدنا پڑیں گی اس صورت سے تجارت و صنعت کی دوڑ میں ہم حصہ لینے کے قابل ہی نہیں ہو سکتے۔ کیا ان فوائد کی وجہ سے معمولی شرح سود کی موجودگی میں شرعاً کوئی گنجائش یا تاویل ممکن ہے۔ مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیے تاکہ تمام وہ لوگ جو اس قسم کی تاویلات سے اپنے نفس کو مطمئن کر رہے ہیں ان پر بھی حقیقت واضح ہو جائے۔

الجواب:۔

فرض کیجیے ایک نہایت خوش رنگ، مفرح، صحت بخش، وٹامن سے لبریز اور خوش ذائقہ شربت میں آپ کے سامنے پیشاب کے چند قطرے ملا دیے جائیں یا بکری کے گوشت اور اعلیٰ درجے کے چاول سے تیار کی جانے والی بریانی کی دیگ میں کتے کے گوشت کا ایک پارچہ ڈال دیا جائے تو ایمانداری کے ساتھ بتلائیے کہ آپ اسے پینا اور کھانا پسند کریں گے؟

ہم سمجھتے ہیں ہرگز نہیں کریں گے۔ یا کریں گے تو صرف

اس صورت میں کہ بھوک پیاس سے آپ کا دم نکل رہا ہو اور کھانے پینے کی کوئی اور چیز ہرگز میسر نہ آرہی ہو۔ اس صورت میں بھی آپ مزے لے لے کر نہیں کھائیں پئیں گے، بلکہ یقین ہے کہ نہایت استکراہ کے ساتھ بس اتنے ہی پر قناعت کریں گے جتنے میں بھوک پیاس کی شدت مٹ جائے اور آپ اس قابل ہوسکیں کہ ہاتھ پیر ہلا کر سادہ پانی اور دال روٹی تلاش کرسکیں۔

ایسا کیوں ہے؟ آپ کیوں نہیں سوچتے کہ مٹکا بھر شربت میں پیشاب کے چند قطرے حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں یا دیگ بھر بریانی میں کتے کے گوشت کی دو بوٹیاں فرق ہی کیا ڈالیں گی جب کہ سالم بکری کا بہت سا گوشت ان کے معمولی اثرات کو اپنے اندر تحلیل کرنے کے لئے بالکل کافی ہے؟ — آپ کیوں نہیں سوچتے کہ پیشاب پینا ہمارا مقصود تھوڑی ہے؟ مقصود تو شربت سے استفادہ ہے۔ کتے کا گوشت کھانا ہمارا مقصود نہیں ہے، مقصود تو بکری کی بریانی سے حظ اندوز ہونا ہے۔ آپ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ مسئلہ سرے سے پیشاب اور لحم کلب کا ہے ہی نہیں، بلکہ اُن لذتوں کا ہے جو اس شربت اور اس بریانی سے ہمارے کام و دہن کو ملنے والی ہیں۔ اُن جسمانی منافع کا ہے جو ان دونوں چیزوں سے حاصل ہوسکتے ہیں۔

ہم بتائیں آپ کیوں نہیں سوچتے یوں کہ پیشاب اور لحم کلب کی نفرت آپ کی رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے۔ انھیں آپ حقیقتاً نجس العین سمجھتے ہیں۔ ان کی گندگی پر آپ کو اس حد تک وثوق ہے کہ کام و دہن کی ضیافت اور طبی منافع کی خاطر آپ ان کو برداشت نہیں کرسکتے بلکہ سادہ پانی — چاہے اس میں ریت ہی ملا ہوا ہو اور دال روٹی — چاہے وہ بدمزا ہی کیوں نہ ہو، آپ کو نسبتاً زیادہ مرغوب ہوں گے ہوسکتا ہے آپ بہت بڑے علامہ اور دانشور ہوں، بیرسٹر وکیل ہوں، منطقی ہوں، ماہر ہوں، خطیب ہوں۔ نت نئے دلائل و تاویلات سے دن کو رات اور سیاہ کو سفید ثابت کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، لیکن پیشاب ملے ہوئے شربت کو پینے کی خاطر کوئی دلیل نہیں گھڑیں گے۔ کوئی تاویل نہیں نکالیں گے۔ کسی حیلے کا سہارا نہیں لیں گے۔

کیونکہ پیشاب پینے کا تصور ہی آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے اور نفرت و بیزاری کا شدید احساس آپ کے دل و روح کی گہرائیوں میں سمایا ہوا ہے۔

اس تمثیل کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ جو لوگ سود اور شراب اور لحم خنزیر جیسی حرام الحرام چیزوں کے جواز کی خاطر نت نئے حیلے نکالتے ہیں، دلیلیں داغتے ہیں، تاویلوں کا کھیل کھیلتے ہیں وہ کیا کسی علمی غلط فہمی اور عقلی کجروی میں گرفتار ہیں یا اصل وجہ یہ ہے کہ دین و شریعت کی اہمیت ہی ان کے قلب و روح کی گہرائیوں میں بار نہیں پاسکی ہے۔ خدا اور رسولؐ کے احکام پر ایمان کامل ہی ان کے اندر مفقود ہے اور جن چیزوں کو خدا اور رسولؐ نے شدت و صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ہے ان کی حرمت ہی پر انھیں اس درجہ کا وثوق نہیں ہے جس درجے کا وثوق پیشاب اور پاخانے کی غلاظت پر ہے۔ وہ اگرچہ سود کو حرام ہی کہنے پر مجبور ہیں کیونکہ قرآن اور حدیث نے اس کی حرمت میں ابہام نہیں چھوڑا ہے، لیکن قلوب ان کے فیصلۂ خداوندی پر مطمئن نہیں ہیں۔ ذہن ان کے آیات و احادیث کے انقیاد و تسلیم سے ابا کرتے ہیں اور دنیاوی منافع کی حرص کا ان پر اتنا غلبہ ہے کہ انکی خاطر وہ اللہ اور رسولؐ کے فرامین کی بار د تاویلیں کرنے اور مسلمات تک کے بخیے ادھیڑنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے۔ کبھی وہ سود کا نام بدل کر اسے جائز کرتے ہیں کبھی وہ خود ساختہ مجبوریوں کی دہائی دیتے ہیں۔ کبھی بنیادی منافع کے حوالے سے کام چلاتے ہیں وغیر ذلک۔

ایسے لوگوں کو دلیل سے قائل نہیں کیا جاسکتا۔ دلیل صرف دماغ پر چوٹ مارتی ہے مگر مرض تو ان کے قلب و روح میں ہے علم و منطق سے صرف چرب زبانیوں کا توڑ کیا جاسکتا ہے، لیکن ایمان کی کمزوری اور دلوں کی کجی برہانِ عقلی سے دور نہیں ہوسکتی۔ سوال میں جو استدلال مجوزین سود کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ علمی و عقلی قطعاً نہیں ہے، بلکہ سراسر نفسانی ہے۔

یہ نفسانیت ہی تو ہے کہ سود جیسی حرام الحرام شئے کو جائز کرنے کے لئے دنیاوی سود و زیاں کی آڑ لی جائے حالانکہ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے یہ دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے کہ حکومت سے سودی قرضہ لئے بغیر ہم تجارت و صنعت کی دوڑ میں حصہ نہیں لے سکتے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے یہاں مسلمانوں کا اقتصادی زوال اور تجارت و صنعت کے میدانوں میں پیچھے رہ جانا صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کے پاس سرمایہ موجود نہیں وہ بغیر قرض لئے کاروبار کرنے سے معذور ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ وجہ تو من گھڑت ہے اور بعض افراد کے معاملہ میں اگر اس کا کوئی وجود بھی ہے تو یہ نتیجہ ہے بعض اور اسباب و علل کا نہ یہ کہ خود یہی وجہ انھیں صنعت و تجارت کی پیش رفت سے روکے ہوئے ہے۔ انگریز کے زمانے میں اسباب جو کچھ بھی رہے ہوں مگر اب تو اسباب اس نوع کے ہیں کہ لاکھ سودی قرضے لینے کے باوجود مسلمان اقتصادی میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ان اسباب کی تفصیل میں جانا یہاں طوالت کا باعث ہوگا۔ ہم صرف اتنا ہی کہیں گے کہ اصل اور حقیقی وجہ خود مسلمانوں کے اندر ہے۔ ان کا عالم یہ ہے کہ حرام و نجس امور سے بچنے کی خاطر کوئی پاکیزہ راہ نکالنے اور دین و شریعت کو دانتوں سے پکڑنے کی بجائے وہ اباحت و علت نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں اور دین و شریعت کو اپنی تاویلات رکیکہ کا تختۂ مشق بنا لیتے ہیں۔

حالانکہ زیادہ بہتر بات یہ تھی کہ اگر وہ دنیا کی خاطر دین کی پاسداری نہیں کر سکتے، اگر دنیاوی منافع سے دستبردار ہونا ان کے لئے دشوار ہے، اگر لقمۂ حرام سے پیٹ بھرنا انھیں مرغوب ہی ہے تو کم سے کم عقیدہ تو خراب نہ کرتے۔ یہ تو نہ کہتے کہ سود جائز ہے۔ ایسی تاویلیں تو نہ نکالتے جن سے اللہ اور رسول کے فرمودات اضحوکہ بن جائیں۔ جہاں اور ہزار گناہ کرتے ہیں یہ ایک اور بھی سہی۔ علی الاعلان کہنا چاہئے تھا کہ ہاں بھائی ہم تو خطا کار ہیں۔ کیا کریں نظامِ سود مسلط ہو چکا ہے اس کے بغیر کام ہی نہیں چلتا۔ اللہ ہماری مجبوریاں دیکھ رہا ہے اس سے

کبھی نہ کبھی توبہ کر لیں گے۔ معافی چاہ لیں گے۔ یا چلئے کچھ نہ کہتے چپ ہی رہتے۔ مگر وہ تو دوسروں کا بھی دین و ایمان سے لوٹنے کی کوشش میں ہیں اور اپنے مجرم ضمیر کی تسکین کے لئے ایسے نکتے نکال رہے ہیں کہ کیا کہئے اور کیا نہ کہئے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ قرض چاہے حکومت سے لیجئے چاہے کسی اور سے اگر وہ سودی ہے تو اس کی حرمت میں کوئی کلام نہیں۔ حکومتی قرضے کے منافع کی جو فہرست پیش کی جاتی ہے اوّل تو وہ عملی سے زیادہ خیالی ہے لیکن اگر وہ امرِ واقعہ بھی ہو اور اس سے ہزار گنا لمبی فہرست بھی پیش کر دی جائے تو ہمارے نزدیک حرمتِ سود میں فرق واقع نہیں ہوتا۔

رہا بعض مذہبی لوگوں کا اس قسم کے قرضے لینا۔ تو اس کا بھی ذکر فضول ہی ہے۔ تہجد گذار اگر چوری کرے گا تو چوری عبادت نہیں بن جائے گی۔ شراب کوئی جاہل پئے یا علامۂ دوراں وہ حرام ہی رہے گی۔ لحمِ خنزیر عامر عثمانی کھائے یا جوتی گانٹھنے والا وہ بہرحال لحمِ خنزیر ہے۔

اور یہ سب مذہبی ہی لوگ تو ہیں جنھوں نے تیوری شریعت کا کاروبار چلا رکھا ہے۔ کم علم و بے علم عوام کو شرک و بدعت کے چرچوں میں ڈبکیاں دینا مذہبی ہی لوگوں کا کارنامہ تو ہے۔ اگر شیطان مذہبی لوگوں کو دنیا کے سب سے بڑے ظلم و گناہ شرک تک لے جا سکتا ہے تو پھر ذیلی گناہ کس شمار و قطار میں ہیں۔ یہ نہیں کہ جن مذہبی لوگوں نے حکومتی قرضوں کو باوجود سودی ہونے کے جائز سمجھ رکھا ہے وہ مکار، منافق اور زندیق ہی ہیں۔ نہیں ان میں سے اکثر از راہِ اخلاص ہی جواز کا قول کرتے ہیں۔ وہ سچ مچ سمجھتے ہیں کہ جو تاویلات ان کے ذہن میں آئی ہیں وہ قوی ہیں لیکن یہ سب شیطان کے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ وہ وسوسوں کو حقیقت اور لغویات کو دلائل باور کرانے میں ید طولیٰ رکھتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ قبروں کے عرس، یا رسول اور یا علی کے نعرے یہ غیر اللہ کے لئے غیب دانی کے عقیدے، یہ شیعیت کے پردے میں برہمن ازم کے داعیے، یہ انکارِ حدیث کے فتنے، یہ ثقافت و کلچر کے نام نہاد ہنگامے یہ سارے اسلام سوز، باطل نواز اور ناپاک نجس نظاہرے کبھی وجود میں آتے بدء الاسلام غریباً وسیعود

فلسفۂ مذہب

سوال :- از عبد الرحیم۔ مجساول (سورت)

ایک کتاب "فلسفۂ مذہب" نظر سے گذری۔ جس میں مصنف نے صفحہ ۱۲۲ پر لکھا ہے کہ "ایاماً معدودات (یعنی گنتی کے چند روز) نہ عربی میں اور نہ ہماری زبان میں کبھی مہینہ بھر کے لئے گنتی کے چند روز بولے جاتے ہیں اور چونکہ اس زمانہ کے عرب اور اب بھی اقوام وحشیہ میں دس سے زیادہ عدد گننا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا شمار دس تک ہوتا ہے اور اسی کو عربی میں عقدۃ الانامل کہتے ہیں اسلئے گنتی کے دن اتنے ہی ہوں گے جو شمار میں دس تک ہوں ورنہ اگر اس سے ۳۰ یا ۲۹ دن مراد لئے جائیں تو ایام معدودات کے بجائے شہر کہنا زیادہ صحیح ہوتا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اگر روزے کے دن گنتی کے چند روز ہیں تو ان کی تعداد کیا ہے۔ اب آخری آیت کو پڑھو "شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ" رمضان کے مہینہ میں جب کہ قرآن نازل ہوا تھا۔ مورخین واہل سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۲۱ یا ۲۳ رمضان کو قرآن کی پہلی آیت نازل ہوئی تھی بس اس تاریخ سے آخری مہینہ رمضان تک قرآن شریف کی رو سے روزہ فرض معلوم ہوتا ہے۔ حدیثیں بھی جہاں تک میری نظر سے گذری ہیں اگر ان کے رطب ویابس کو بلا تنقید پڑھا جائے تو اس سے بھی صاف واضح نہیں ہوتا کہ پورا مہینہ رمضان میں روزہ رکھا جاتا تھا۔ البتہ فقہ کی رو سے سارا مہینہ رمضان روزہ رکھنا چاہئے۔ مگر میں فقہی مسائل کا اس وقت تک پابند نہیں ہوتا جبتک کہ قرآن یا متصل بالاسناد صحیح حدیث (جو بہت ہی شاذ ہے) اسکی تائید میں نہ ہو۔ اسی طرح مصنف نے نماز۔ زکوٰۃ قربانی وغیرہ کے متعلق بھی سخت الفاظ لکھے نماز کے متعلق صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ "تین وقت کی نماز بلا تعین ارکان وتعدیل" قربانی کے بارے میں لکھا ہے "سارا مسئلہ قربانی کا بت پرستی کا شائبہ ہے اور مسلمانوں کو بچنا چاہئے"۔ زکوٰۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "لیکن اگر زکوٰۃ کا نام رافت ورحمدلی ہے اور اپنے ہمجنس غریب بھائیوں کی امداد بطیب خاطر مقصود ہے تو ہم اس کو کبھی نہ بھولیں کہ قرآن نے جس کی نظر ہر زمانہ اور ہر ملک پر تھی۔ نہ زکوٰۃ کا کوئی نصاب مقرر کیا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ دینے کا سال میں صرف ایک ہی وقت ہے۔ برخلاف اس کے قرآن نے جب کہیں نماز کی تاکید کی ہے تو اس کے ساتھ زکوٰۃ کی بھی تاکید کردی۔ یعنی جس طرح نماز روزانہ ہو اسی طرح زکوٰۃ بھی روزانہ ہو۔"

براہ کرم آپ تجلی میں مذکورہ خرافات کی تردید کیجئے یہ معاملہ جزئیات وفروعات کا نہیں ہے۔ اس لئے آپ ضرور اس کا جواب عنایت فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین اجر عنایت کرے۔ آمین۔

الجواب :-

معلوم ہوتا ہے آنجناب انکار حدیث کے اُس فتنے سے پوری طرح واقف نہیں ہیں جو موجود تو بہت پہلے سے ہے مگر اب پاکستان میں جوانی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ یہ جو کچھ آپ نے "فلسفۂ مذہب" سے پیش کیا ہے یہ تو کافی پرانا ہوچکا۔ اس سے بہت آگے بڑھ کر اب تو منکرین حدیث نے پاکستان میں ایک نئی لغات القرآن بھی تیار کرلی ہے، جس کے ذریعہ قرآن ایک بالکل نئی کتاب بن گیا ہے۔ ایسی کتاب جس کے نوادرات سے ہمارے ائمہ وصحابہ تو کیا خود وہ پیغمبر بھی واقف نہیں تھے جن پر یہ کتاب نازل ہوئی۔ اب بات اتنے ہی پر نہیں کہ روزے کتنے دن کے رکھے جائیں اور نمازیں کتنے وقت کی پڑھی جائیں، بلکہ اب تو صلوٰۃ وصوم کے معنی ہی تبدیل ہوچکے ہیں، بلکہ صلوٰۃ وصوم تو کس شمار میں ہیں اللہ اور رسول کے معنی بھی وہ نہیں ہے جو گذشتہ ساڑھے تیرہ سو سالوں سے مسلمان سمجھتے آئے ہیں، بلکہ اللہ اور رسول ؐ نام ہے "مرکزِ ملت" کا اور مرکز ملت کہتے ہیں حکومت قائمہ کو۔

اس نوع کی خرافات پر اگر آپ تفصیلی مطالعہ چاہتے ہیں تو مکتبہ تجلی سے کتابوں کے نام معلوم کیجئے

علمائے حق نے پورے شرح و بسط کے ساتھ ان کے رد کا حق ادا کیا ہے اور پاکستان کے دینی حلقوں میں برابر یہ کام ہو رہا ہے وہاں کے دینی جریدوں میں بھی آپ اس موضوع کے مضامین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔[1]

جو چند شوشے آپ کے دیئے ہوئے اقتباسات میں صاحب کتاب نے چھوڑے ہیں ان کے براہ راست جوابات بھی علماء نے بھرپور دیئے ہیں۔ ہم بھی اس بحث میں بہت سے اوراق سیاہ کر سکتے ہیں، لیکن منکرین حدیث کے ایک ایک ہذیان اور ایک ایک نعرۂ مستانہ پر سر کھپانے کے عوض ہر خاص و عام کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ جو مسائل ساڑھے تیرہ سو برسوں سے تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہیں، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے اب تک یکساں عمل ہوتا آیا ہے، جن کے باب میں مسلمانوں کے تمام فرقے ہمیشہ متحد رہے ہیں، جنھیں قرآن و سنت کی روشنی میں قیامت تک کے لئے اٹل اور ناقابل تغیر مانا جا چکا ہے، جن میں ریب و شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کیا ان پر بھی کسی یاوہ گو کی غبار انگیزی لائق اعتنا ہو سکتی ہے؟ کیا یہ بات ادنیٰ ہوش و حواس پل بھر کے لئے بھی توجہ کے قابل سمجھی جا سکتی ہے کہ صریح و محکم آیات قرآنیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کے فہم اور منشا بارے میں تمام صحابہؓ نے بھی غلطی کھائی ہو، پھر تمام تابعین تمام ائمہ و فقہا تمام مشائخ و محدثین بھی غلطی ہی پر متفق ہوتے چلے گئے ہوں اور آج کچھ جاہل و نیم جاہل لوگ صوفوں اور قالینوں پر بیٹھ کر ہانک لگائیں کہ اصلی عالم دین ہم ہیں۔ قرآن کی تفسیر ہم سے سنو۔ اسلام کا سبق ہم سے لو۔ تمام اسلاف دین سے بے خبر تھے۔ جاہل اور سازشی تھے۔ احمق اور کوتاہ فہم تھے۔ اور ساری امت اسلام کے اساسیات و مبادی تک میں گمراہی و نادانی پر متفق چلی آ رہی ہے۔؟ —— اگر یہ پرلے سرے کی دیوانگی اور شورہ پشتی ہے تو اہل ایمان کو ہرگز ہرگز ان شہزادوں کی گل افشانیوں پر اسی طرح توجہ نہیں دینی چاہئے جس طرح قادیانیوں کی گل افشانیاں لائق توجہ نہیں ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں تھے۔ اگر اس کذب و افترا کے حق میں کوئی شخص دلائل پیش کرنے شروع کر دے تو بجائے کان دھرنے کے اس کے منھ میں خاک ڈالو۔ خدا ایک ہے۔ محمدؐ اس کے آخری رسول ہیں۔ نماز پانچ وقت فرض ہے۔ روزے ایک ماہ کے ہیں۔ اس طرح کے امور میں دو رائے کی گنجائش نہیں۔ بدقسمتی سے اسلام ہمارے ملکوں میں کارفرما نہیں۔ ورنہ جو لوگ دعوۂ اسلام کے باوجود ان مسلّمات میں ردّ و قدح کرتے ہیں ان کا جواب یہ نہیں ہے کہ ان کے دلائل سنے جائیں اور اطمینان سے ان کا رد کیا جائے، بلکہ ان کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان کی قینچی کی طرح چلنے والی زبانیں اور ان کی قلم پکڑنے والی انگلیاں کاٹ دی جائیں۔ انتہائی دکھ کی بات ہے کہ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ اس پاکستان میں بھی اور اس مصر میں بھی جہاں مسلمان حکومت موجود ہے حکمرانوں کی دینی بے حسی اور نفسانیت نے لوگوں کو اس کی کھلی اجازت دے رکھی ہے کہ وہ شعائرِ اسلام، کلام الٰہی، احادیث رسول اور تمام جلیل القدر اسلاف کی عزت و حرمت سے جس طرح چاہیں کھیلیں اور سینہ تان کر جو چاہے کہتے اور لکھتے چلے جائیں۔ نہ صرف انھیں اجازت ہے بلکہ مقتدر گروہ کی سرپرستی بھی انھیں حاصل ہے۔ انھیں اپنی سیاہ قلبیوں کو عام کرنے کے لئے مادی وسائل مہیا ہیں اور عوام کی اکثریت دین سے ناواقف ہے۔ غیر اسلامی نظام کی پروردہ ہے۔ باطل تصورات اس کے اردگرد پوری طرح مسلط ہیں۔ وہ بہ آسانی دھوکا کھا جاتی ہے اور اسی لئے علماء مجبور ہوتے ہیں کہ ان خرافات و ہذیانات کا بھی رد کریں جو اپنی ذاتی حیثیت میں شمّہ برابر التفات کے لائق نہیں ہیں۔ واحسرتا۔ واویلا۔

اور یہ جو "فلسفۂ مذہب" کے مصنف نے کہا کہ:۔

"میں فقہی مسائل کا اس وقت تک پابند نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن یا متصل بالاسناد و صحیح حدیث (جو بہت ہی شاذ ہے) اس کی تائید میں نہ ہو"

تو یہ بھی کھلا فراڈ ہے۔ ایسی باتیں جاہل "اہل قرآن" اس وقت کرتے تھے جب اپنی بے علمی کے باعث وہ اس

[1] ماہنامہ ترجمان القرآن کا "منصب رسالت نمبر" بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ اسے ضرور ملاحظہ فرمایئے۔

خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ جتنا کچھ انھوں نے مغرب زدہ استادوں سے پڑھا ہے یا مستشرقین کی کتابوں میں دیکھا ہے بس وہی سب کچھ ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی مسلمات کے لئے دلائل کا کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔ لیکن جب ان کی خوش فہمیوں کا جامہ علماءِ حق نے تار تار کیا اور متعدد آیات و احادیث ایسی نکال کر دکھلائیں جن سے صراحتہً ان کی تکذیب اور مذہبی مسلّمات کی توثیق و تصدیق ہوتی تھی تب انھوں نے قلابازی کھاکر یہ راہ اختیار کی کہ حدیث ایک وقتی شے تھی اب وہ حجت نہیں ہے اور آیاتِ قرآنیہ کا وہ مطلب نہیں ہے جو آج تک کے علماء و ائمہ سمجھتے آرہے ہیں، بلکہ وہ مطلب ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔

فلسفۂ مذہب کے مصنف سے کون پوچھے کہ آنجناب لفظ "فتنہ" کا مطلب بھی جانتے ہیں؟ اگر جانتے تو کبھی روزے اور نماز اور زکوٰۃ کو فقہی مسائل میں شامل نہ کرتے "فقہی مسائل" تو وہ ہیں جو ان بنیادی فرائض کی بعض جزئیات و فروعات میں اجتہادی اختلافات کے باعث رونما ہوتے ہیں۔ یہ فرائض بجائے خود فقہی مسائل نہیں، بلکہ یہ تو نصوص قرآنیہ کا مفہومِ صریح ہیں۔ اسلام کے بنیادی پتھر ہیں۔ شعائرِ دین ہیں۔ محکمات و مسلّمات ہیں۔ یہ صاحب متصل بالاسناد اور صحیح حدیث کو بہت شاذ کہہ رہے ہیں حالانکہ انھوں نے حدیث پڑھی ہی نہیں، بلکہ جو کچھ دوسرے منکرین حدیث کہتے آئے ہیں اسی کو دہرا دیا ہے۔ ورنہ اتنا بڑا جاہلانہ جھوٹ بولتے ہوئے شرم ضرور آتی۔ اگر واقعی کسی صاحبِ علم سے گفتگو ہو تو ہم متصل بالاسناد اور صحیح احادیث دو چار نہیں سو، دو سو، چار سو جتنی طلب کی جائیں پیش کرسکتے ہیں، لیکن گفتگو ان جاہلوں سے ہے جنھیں علومِ دینیہ سے کوئی مس ہی نہیں، بلکہ اپنے گڑھے ہوئے ذہنوں کے دعاوی کا اثبات کرنے کے لئے وہ خواہ مخواہ حدیث دانی اور دین شناسی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ انھیں نہ یہ علم ہے کہ صحیح حدیث کس چیز کا نام ہے اور اگر برسبیل بحث معلوم بھی ہوگیا ہے تو وہ فرار و گریز کی دوسری راہیں نکالنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ غضب یہ ہے کہ اپنا نام اہل قرآن رکھنے کے باوجود انھوں نے قرآن کو بھی پڑھنے کی طرح نہیں پڑھا ہے۔ اگر ان میں سے بعض نے اتفاقاً پڑھ ہی لیا ہے تو سمجھنے اور ہدایت پانے کی نیت سے نہیں، بلکہ اس لئے پڑھا ہے کہ اپنے لاطائل عقائد و دعاوی کے لئے آیات مہیا کریں۔ فقروں کو سیاق و سباق سے کاٹیں۔ من مانے مزعومات قرآن کے منھ میں ڈالیں اور ادھورے فقرے نقل کرکے ناواقف لوگوں کو دھوکے دیں۔

مثلاً اسی آیۃ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کے سلسلہ میں دیکھئے اگلی ہی آیت میں خود اللہ جل شانہٗ اس غیر معین لفظ کی تعیین و تشریح فرماتے ہیں:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ (بقرہ ع ۲۳)	رمضان کا مہینہ ہے جس میں نازل ہوا قرآن جو ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور راہ پانے کی روشن دلیلوں اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی باتوں پر مشتمل ہے پس تم میں جو کوئی اس مہینے کو پائے تو اسے روزے ضرور رکھنے۔

+ + + +

دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کی تاکید کی اور یہ نہیں کہا کہ صرف سات یا نو دن کے روزے رکھو۔ لیکن یہ خدا اور آخرت سے بے خوف لوگوں کی کارستانی دیکھئے اللہ کے ارشاد کی وہ تصریح تو انھیں قبول نہیں جو خود اللہ کر رہا ہے۔ مگر آڑ لے رہے ہیں عربی محاورے کی۔ گویا زبان عربی ان کے اپنے گھر کی لونڈی ہے جس کے محاوروں کو عرب نژاد پیغمبرؐ اور صحابہؓ اور تابعین وائمہ اور دنیا بھر کے ماہرینِ علومِ عربیہ نے تو سمجھا نہیں۔ اب سمجھا ہے تو ان کاریگروں نے جن کا مبلغ علم مستشرقین کی چند کتابوں، اُردو کے چند کتابچوں اور سنی سنائی باتوں سے زیادہ نہیں ہے۔ جنھوں نے عربی کی ابجد بھی نہیں پڑھی۔ حالانکہ دس بیس سال عربی پڑھ لینے پر بھی کوئی شخص اس لائق نہیں ہوجاتا کہ وہ تقریباً چودہ سو سالوں کے تمام عربی دانوں اور ماہروں کو چیلنج کرسکے۔

دوسرا تماشا یہ دیکھئے کہ ویسے تو منکرین حدیث کو

متصل الاسناد اور صحیح احادیث شاذ نظر آتی ہیں حالانکہ بخاری اور مسلم جیسے ضخیم مجموعے آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور جو اکا دُکا نظر آتی ہیں انھیں بھی یہ اس بنیاد پر رد کر دیتے ہیں یا من مانی تاویلات کی خراد پر چڑھا دیتے ہیں کہ یہ ان کے مزعومہ دعاوی کی مؤید نہیں۔ لیکن جب اپنا موقع پیش آتا ہے تو نہایت شان کے ساتھ تاریخ و روایت سے استدلال فرماتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن میں نزولِ قرآن کی تاریخ موجود نہیں ہے۔ بس مہینہ بتایا گیا ہے اور اسی مہینے کے روزے رکھنے کا صریح حکم صادر کیا گیا ہے۔ اب صاحب موصوف کو تاریخ و سیرت یاد آئی اور وہ اتنی معتبر ہو گئی کہ خود قرآن کی تصریح بھی اس کے آگے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ گویا جہاں انھیں ضرورت ہو وہاں تو محض تاریخ بھی اتنی مستند ہے کہ اس کے ذریعے قرآن تک کی تصریحات کو من مانے معانی پہنائے جا سکتے ہیں لیکن جب علمائے حق تاریخ سے نہیں بلکہ تاریخ سے کئی گنا زیادہ مضبوط اور ثقہ روایات کے مجموعوں سے نہایت منقح، متصل الاسناد اور صحیح و معتبر احادیث لائیں تو وہ ناقابلِ اعتبار!

بڑی سخت کوفت ہوتی ہے ایسی لغویات و خرافات پر گفتگو کرتے ہوئے جن کا صحیح مقام پاگل خانے کے سوا کوئی نہیں۔ ذرا سوچئے تو کوئی شخص عین دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں کھڑے ہو کر ہانک لگانے لگے کہ اس وقت رات ہے اور ہر طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا ہے تو کس قدر کوفت ہوگی آپ کو اگر اس ہرزہ سرائی کی علمی و عقلی تردید کے درپے ہونا پڑے۔

روزے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ پر بحث کرنے کی بجائے ہم بس اتنا ہی کہنا یہاں کافی سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں کے نزدیک اس طرح کی ہفوات واقعی کسی توجہ کی مستحق ہوں وہ اس لٹریچر کا مطالعہ فرمائیں جو منکرین حدیث کے رد میں طبع کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اُن لوگوں کی کی ذہنی حس بالکل معطل ہو چکی ہے جن کی عقل نے یہ مضحکہ خیز دعویٰ بھی ہضم کر لیا کہ اسلام کی جو ترجمانی اللہ کے رسول ؐ سے لیکر آج تک کے تمام علماء و فقہاء اور صحابہؓ و تابعین کرتے آئے ہیں وہ تو غلط ہے اور جو ترجمانی آج کے چند برخوردار غلط لوگ کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ پناہ بخدا۔

(کھرے کھوٹے بقیہ از صفحہ ۵)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیحات و ہدایات سے بے نیاز ہو۔

آزادیِ رائے بہت خوبصورت لفظ ہے اور اندھی تقلید کی قباحت میں بھی کوئی شک نہیں لیکن بے نقط باتوں کی آزادی پاگل پن کہلاتی ہے۔ ریاضی کی بحث میں ایک شخص دو اور دو چار جوڑتا ہے یا دس میں سے پانچ گھٹا کر یہ کہتا ہے کہ حاصل تفریق دس سے کم ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ شخص آزادیِ رائے سے عاری ہے بلکہ بندھے فرسودہ قاعدوں کی تقلید کر رہا ہے۔ کسی قول کی تفسیر میں اگر اس زبان کے قواعد و مسلّمات سے آنکھیں بند کر لینا آزادیِ فکر ہے تو ایسی آزادی کو ہم دور سے سلام کرتے ہیں۔

ماہنامہ ترجمان القرآن

کا

منصبِ رسالت نمبر

منکرین حدیث کے تمام دلائل و براہین پر مولانا ابوالاعلیٰ کی خارا شگاف تنقید۔ اسلام ہی کے نام پر اسلام کو ملیامیٹ کرنے والی جو تحریک "اہلِ قرآن" کے لیبل سے چلائی جا رہی ہے اس کے ایک ایک بخیے کو ژرف نگاہی، فراست اور آہنی استدلال کے ساتھ اُدھیڑا گیا ہے۔ قیمت ساڑھے تین روپے (ڈاک خرچ سوا روپیہ) کم نسخے ہیں۔ جلد طلب فرمائیے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

کیا ہم مسلمان ہیں؟

شمس نوید عثمانی

قریش کا پہلا وفد سرورِ انس و جن صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب پر سماجی دباؤ ڈالنے میں ناکام رہا تو دوسرا وفد آ پہنچا اور تلخ و تند لہجے میں یہ منتقمانہ مطالبہ پیش کر دیا گیا کہ "اے ابوطالب! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معبودانِ قریش کا احترام نہیں سکھا سکے ——— اسلئے اب ان کو ہمارے حوالے کر دو!"۔

ابوطالب کیلئے یہ الفاظ قیامت ٹوٹ پڑنے کے ہم معنی تھے۔ وہ یہ تصور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ عرب کے معصوم ترین انسان کو جابر و قاہر دشمنوں کے حوالے کر دینا بھی اس نازک مسئلہ کا کوئی حل قرار دیا جا سکتا ہے۔ محمد عربی سے ان کو اتنی ہی محبت تھی جتنی ایک ہونہار بیٹے سے ہو سکتی ہے۔ حالات کا یہ ہولناک مگر فیصلہ کن رخ دیکھ کر وہ بے بسی کے احساس سے تڑپ اٹھے۔ ہر طرف تاریکی تھی مایوسی تھی۔ خوف اور ہراس تھا۔ لیکن ٹھیک اس وقت جب بیچارگی کے احساس سے ان کا سر سینے پر ڈھلک گیا تھا۔ ایک نئی امید کی کرن اس اندھیارے میں کوندی ——— انھوں نے پرسوز آواز میں آنحضرت کو پکارا ———

"نورِ جگر! اب دشمنوں کو دشمنی سے باز رکھنا بوڑھے ابوطالب کے بس سے باہر ہو چکا ہے۔ وہ لوگ میری نہیں سنتے ——— لیکن . . . . لیکن کیا تم بھی اپنے بوڑھے چچا کے التماس پر کان نہیں دھرو گے۔ اے بھتیجے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اس کام سے باز آ جاؤ جس نے سارے ملک کو تمہاری جان کا دشمن بنا دیا ہے"؟۔

پاکباز بھتیجے نے شفیق چچا کی یہ آواز سنی اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ کیا سچ مچ یہ اسی ابوطالب کی آواز تھی جس کے سینے میں محمد عربی کے لئے باپ کا دل دھڑک رہا تھا اور ماں کی ممتا جس کی آنکھوں میں محبت کا نور بنکر دمکتی تھی۔

ہاں یہ اسی ابوطالب کی آواز تھی ——— نہیں! یہ دنیا کا آخری سہارا ٹوٹنے کی آواز تھی —— یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ سچائی کی راہ میں دنیا بہت دور تک ساتھ نہیں دے سکتی۔ اور آخرکار خدا کا نام لینے والے کے ساتھ خدا کے سوا کوئی نہیں رہ جاتا ایک ساعت کے لئے آپ کے دل پر وہ سب کچھ بیت گئی جو اتنے ہوش ربا اور جانکاہ عالم میں ایک انسانی قلب پر بیت جانی چاہئے۔ ابوطالب یہ دیکھ کر درد سے بیتاب ہو گئے کہ ان کے الفاظ کا جواب بھتیجے کی بھیگی ہوئی آنکھیں دیرہی ہیں۔

لیکن اس سے قبل کہ وہ تسلی کا ایک حرف منھ سے نکال سکتے۔ ان مقدس آنسوؤں سے عزم و یقین کا بے پناہ نور پھوٹ نکلا۔ جذبات کے مقابلے میں ایمان و یقین کا لامتناہی جوش پوری قوت سے موجزن ہو چکا تھا۔ ایک انسان انسانیت کی آخری بلندیوں پر کھڑا ہو کر دنیا کی لاش کو اپنے ہاتھوں سے دفنانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ ایک بے پناہ عقیدت اور شدید حیرت کے عالم میں ابوطالب نے بھتیجے کی آواز سنی

"میں نے جو کام شروع کیا ہے وہ میری اپنی موت یا اس کام کی آخری تکمیل سے ایک منٹ پہلے بھی موقوف نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند ہی کیوں نہ رکھدیں"!

کتنی صداقت، کیسی بیتابی اور کس قدر یقین و اعتماد تھا

ان الفاظ میں! فولادی ثبات و عظم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے الفاظ ——— ابوطالب نے خوب محسوس کرلیا کہ محمدؐ کے سینے میں یقیناً کوئی ایسی قیمتی شئے موجود ہے جو ان کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ کاش وہ یقین کرسکتے کہ یہی محمدؐ کا خدا تھا! ——— کاش ان کے لبوں سے کلمۂ حق کی شہادت بلند ہوجاتی!۔ لیکن وہ خونی تعلق کے جوش میں جس قربانی تک جاسکے وہ یہ الفاظ تھے ——— "نہیں! نہیں! ——— تم شوق سے اپنا کام کیئے جاؤ بیٹا! - بوڑھا ابوطالب تمہارے ساتھ ہے - ہرحال میں وہ تمہارا ساتھ دے گا"۔

آہ ابوطالب اور ان کی قربانی کی یہ دردناک کہانی جس سچائی کی راہ میں وہ اپنی جان پر کھیل رہے تھے اس سے محروم - ان کو دنیا سے جانا تھا! - لیکن خدارا ایک منٹ رک کر سوچئے کہ وہ کفر کی حالت میں اسلام پر جس طرح جان نثار کئے دے رہے تھے کیا ہم اسلام کی حالت میں اس کا عشر عشیر پیش کرنے کا بوتا بھی رکھتے ہیں؟ - اگر وہ "کافر" تھے تو کیا ہم مسلمان ہیں؟ ——— ہاں مسلمان ہیں مگر ایسے مسلمان جن کے سیرت و کردار اسلام کے ساتھ بیرحمانہ مذاق کرنے میں مصروف ہیں! -

---

ثعلبہ بھی ایک انصاری تھے لیکن دنیا کا "مایا جال" ان کی "انصاریت" کی دولت لوٹنے کے لئے آگے بڑھا "اے خدا کے رسولؐ!" ——— انھوں نے کہا "میرے لئے زرومال کی افراط کے لئے دعا فرمائیے!"۔

"اے ثعلبہ!" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دردبھری آواز میں دکھ کے ساتھ فرمایا "یاد رکھو تھوڑا مال جس پر انسان اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہے ان خزانوں سے بہتر ہے جنھیں پاکر وہ خدا کا شکر ادا کرنا بھول جائے" لیکن ثعلبہ کا اصرار قائم رہا - شاید ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ "شکر" سے غفلت کا جرم ان سے ممکن نہیں - یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ احسانات کی جس قدر بارش ہو وہ اپنے محسن حقیقی کو اتنے ہی نظرانداز کرتے چلے جائیں - لیکن وہ بھول رہے تھے کہ یہ اس شخص کی خواہش تھی جس کا دست مقدس حیات و کائنات کی نبض پر رکھا ہوا تھا -

آخر آپ نے دعا کردی - دولت بارش کی طرح برسنا شروع ہوئی - بھیڑ بکریوں کے بڑھتے ہوئے ریوڑ اب مدینہ میں رکھنا ناممکن ہوگئے تو ثعلبہ نے مدینہ سے باہر نکل کر قیام کیا مسجد کا فاصلہ بڑھا —— دنیا نزدیک آرہی تھی اور خدا دور ہورہا تھا - لوگوں نے دیکھا کہ عشا اور مغرب کی نمازوں میں ثعلبہ غائب ہیں! - دولت بڑھتی رہی ——— فاصلے بڑھتے رہے غفلت بڑھتی رہی ——— دولت دنیا کی زیادتی کیساتھ اس دولت کا خزانہ گھٹتا رہا جو کسی فقیر کو مل جائے تو تاج و تخت کے بدلے بھی فروخت نہ کرے - وہ دولت جس سے انسان خدا کی جنت خرید سکتا ہے ——— نمازوں میں ان کی غیر حاضری میں اضافہ ہوتا رہا - اور آخر زکوٰۃ دینے کا داعیہ بھی ان کے دل سے دور ہوگیا ——— خدا کے رسولؐ نے یہ سنا تو آپ اس بدنصیب کی حالت پر روئے جس نے دنیا اور دین کو ایک ساتھ پانے کی ہولناک آرزو کی تھی — آخر جبریل علیہ السلام قرآن کی یہ آیات لیکر نازل ہوئے۔

" ایسے بھی لوگ ہیں جس نے خدا تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے فضل سے کچھ عطا فرمائے گا تو ہم ضرور اسکی راہ میں خرچ کریں گے اور نیکوکاروں میں ہوجائیں گے ——— اور پھر ——— جب خدا نے انھیں اپنے فضل سے دیا تو وہ بخیل بن گئے اور پیٹھ پھیر کر اعراض کرنے لگے"۔

ثعلبہ آخر صحابی تھے - وحی کی یہ زہرہ گداز آواز سن کر وہ دیوانہ وار تلافی مافات کی طرف پلٹ پڑے - لیکن تلافی کا دروازہ بند پایا - ان کی زکوٰۃ قبول نہیں کی گئی - خدا نے انکار کردیا - رسولؐ نے انکار کردیا - حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے دورِ خلافت میں یہ کہہ کر انکار کردیا کہ "یہ دولت قبول کرنے سے خدا نے منع کردیا ہے"۔

اف! دنیا کی محبت بھی کتنا خوفناک فتنہ ہے - یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان دین اور دنیا کی دو کشتیوں میں ایک ساتھ سفر کرسکے - ایک کی طرف بڑھنے کا لازمی نتیجہ

دوسرے سے دور ہوتا ہے۔ اگر کسی کو یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ خدا سے کتنا نزدیک ہے تو اسے دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیا سے کتنا دور ہے؟۔ لیکن کیا ہم یہ بات سوچنے تک کے لئے تیار ہیں؟ کیا ہمارے دل میں آخرت کے گھاٹے کا لفظ ہلکی سی ہلکی بیتابی اور ٹیس پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ ہاں اس لفظ میں تو بے شک آج بھی وہی طاقت ہے۔ مگر بولنے والی زبانیں اور سننے والے کان کند اور شل ہو چکے ہیں۔ لیکن ہمیں اصرار ہے کہ ہم بہر حال مسلمان ہیں۔ عقیدہ کا کتنا حسین اصرار ہے!۔ مگر عمل کا کیسا شرمناک اور ظالمانہ انکار!

طاقت کے لئے
مقوی اعظم

مقوی اعظم نہ صرف دماغ اور اعصاب کی تقویت کے لئے مجرب ہے، بلکہ عام جسمانی کمزوری کو رفع کرنے کے لئے ایک معیاری ٹانک ثابت ہوا ہے۔ چند ہی خوراکیں اپنا نمایاں اثر دکھلاتی ہیں۔

دس تولہ کی قیمت آٹھ روپے۔ محصولڈاک دو روپے۔ ایک خوراک چھ ماشہ۔

قومی دواخانہ (رت) دیوبند

پندرہ روزہ "برادری" لکھنؤ

اپنی پانچویں منزل کے شاندار افتتاح کے موقع پر ایک خاص نمبر جنوری ۶۲ء کو شائع کر رہا ہے ——— جس میں ہندو پاک اور عالم اسلام کے ممتاز اہل قلم حضرات کی بلند پایہ نگارشات صفحۂ قرطاس کی زینت ہوں گی۔

زر عطیہ سالانہ تین روپے

نئے خریداروں کو نہ صرف یہ شاندار نمبر ہی مفت دیا جائیگا بلکہ عالم اسلام کے بلند پایہ مفکر علامہ امیر شکیب ارسلان مصری کی بلند پایہ تصنیف "اسباب زوالِ امت" بھی مفت پیش کی جائے گی۔

(آج ہی اپنا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں)

منیجر پندرہ روزہ "برادری" سعادت گنج لکھنؤ

مایوسوں کے لئے بشارت

مفید، مجرب، قابل اعتماد علاج۔ تجربہ ہماری صداقت کی گواہی دے گا۔ اگر آپ مدتوں علاج و معالجہ کے بعد ہمت ہار کر مایوسی و انتشار کی زندگی گذار رہے ہیں۔ وقت کے تقاضے یا غیر محتاط زندگی کے باعث جسم کی طاقتیں سست اور نڈھال ہو گئی ہیں تو پھر ایک بار خدا کے بھروسے پر ہمت کر کے اس طرف رجوع کیجئے۔ یہاں ہر قسم کے امراض کا خاص طور سے علاج ہوتا ہے۔

خطوط راز میں رکھے جاتے ہیں } **حکیم ابو سعید عبید اللہ**
اسلام نگر۔ ڈاک خانہ دھنگہ ضلع دربھنگہ

روغن اکسیر دماغ

روغن اکسیر دماغ کوئی معمولی اشتہاری تیل نہیں۔ قیمتی جڑی بوٹیوں اور مفید اجزاء کا مرکب ہے جو دماغی قوت اور بالوں کے لئے ایک ٹانک کی حیثیت رکھتا ہے۔ دائمی نزلہ کو دور کرتا ہے بے خوابی رفع کر کے میٹھی نیند لاتا ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کے لئے خاص تحفہ ہے۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ ۸۰ پیسے ——— (ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ)

ہلال فارمیسی دیوبند (یو۔پی)

مولانا عبدالرؤف رحمانی

جب اسلام کارفرما تھا

(۳)

سادہ زندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح موٹا جھوٹا کھاکر گزر اوقات کرتے تھے وہ سب کو معلوم ہے میدہ اور میدے کی بنی ہوئی لذیذ اشیاء تو درکنار گیہوں کا آٹا بھی آپ کا معمول نہ تھا بلکہ عموماً جَو کا آٹا استعمال کرتے تھے اور اسے بھی چھاننے پھٹکنے کے لئے چھلنی تک کا اہتمام نہ تھا۔ سالن ہو نہ ہو، بسا اوقات سرکے سے یا صرف نمک سے کھالیتے (بخاری۔ کتاب الطعام) فاقہ بھی آپ کے لئے آئے دن کا واقعہ تھا۔

یہ عسرت اور سادگی کی زندگی اگر افلاس کا نتیجہ ہوتی تب تو کوئی کمال نہ تھا، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ افلاس کی مجبوریوں کا اس سے کوئی واسطہ نہ تھا، بلکہ یہ تو اختیاری فقر تھا۔ سادگی آپ کی سرشت کا جزء تھی اور لذائذ سے بے رغبتی آپ کی فطرتِ مقدسہ کا نمایاں عنصر۔ لباس بھی سادہ پہنتے۔ فاخرانہ ملبوسات آپ نے کبھی نہیں پہنے۔ بہت مرصع اور منقش کپڑوں سے آپ نے ہمیشہ اجتناب فرمایا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ہمارے سامنے ایک موٹا تہبند اور موٹی چادر نکالی اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند اور چادر ہے (بخاری کتاب الجہاد)

اسی طرح حضورؐ جوتا خود ٹانک لیتے تھے۔ کپڑوں پر پیوند بھی لگا لیتے تھے۔ بستر گدیلہ وغیرہ بھی معمولی چمڑے کا رکھتے جس میں کھجور کی چھال بھری رہتی۔ حاصل یہ کہ تعیش سے بلند تر سادگی اور سخت کوشی کی زندگی اللہ کے رسولؐ کو محبوب تھی، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو دنیا کا کوئی عیش ایسا نہ تھا جو چشم و ابرو کے ادنیٰ اشارے پر آپ کے قدموں میں نہ آجاتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خلفائے راشدین نے بھی اپنی زندگیاں حضورؐ ہی کے نقشِ قدم پر گزاری ہیں۔ یہ تو بے شک درست ہے کہ مزاج و طبیعت کے قدرتی اختلافات کے تحت سادگی اور زہد کے مظاہر میں بھی جزئی اختلاف رہا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی معاشرت ایک ہی طرح کے مظاہر پیش کرتی جب کہ مشیتِ ایزدی نے ان کی مجموعی سرشت کو یکساں صلاحیتوں اور رجحانوں سے ترکیب نہیں دیا تھا۔ لیکن مظاہر سے ہٹ کر اگر آپ روح اور بنیادی فکر پر نظر کریں گے تو یہی نظر آئے گا کہ ہر خلیفۂ راشد نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق سادگی اور سخت کوشی ہی کو محورِ زندگی بنایا تھا۔ اس دعوے کی گواہی وہ جستہ جستہ واقعات دیں گے جنھیں آگے میں بیان کروں گا۔ لیکن میرا مقصود محض اسی ایک خصوصیت پر زور دینا نہیں، بلکہ سیرت و کردار کے تمام ہی پہلوؤں سے خلفائے راشدین کی زندگیوں کو واقعات کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(ایک بار حضرت عمرؓ سے ایک اور شخص نے کہا کہ بادشاہ تو لوگوں پر ستم کرتا ہے لیکن خلیفہ نہ بیجا لیتا ہے نہ بیجا صرف کرتا ہے۔ اور آپ الحمد للہ ایسے ہی ہیں۔ یعنی آپ خلیفہ ہیں، سلطان نہیں (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۵ و طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۲۲۲)

خلفائے راشدین کے بعد بادشاہت کا دور شروع ہوا۔ یہ درست ہے کہ تاریخی وقائع اور گوناگوں نزاکتوں پر مشتمل سیاسی و عمرانی کوائف کے اژدحام میں اگرچہ یہ فیصلہ سخت مشکل ہے کہ خلافت کو بادشاہت کی راہ پر ڈال دینے میں کسی کے قصد و اختیار کو دخل تھا یا یہ ایک ناگزیر انقلاب تھا جسے روک دینا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ ناگزیر ہی تھا اور حضرت معاویہؓ اگر خلافت کے رنگ و بو سے ملتی جلتی ملوکیت کا خیر مقدم نہ کرتے تو مسلمانوں کو ایک ہولناک خانہ جنگی اور تباہ کن فسطائیت کا استقبال کرنا پڑتا۔ طوائف الملوکی اور خانہ جنگی سے یہ بہر حال بہتر تھا کہ ایک عدل پسند ملوکیت کا سہارا لیا جائے۔ تاریخ اسلام کے اس موڑ پر بحث کرنا میرا موضوع نہیں۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق خلافتِ راشدہ کو تیس ہی سال پر ختم ہونا تھا۔ یہ تقدیر الٰہی تھی۔ اسے کوئی بھی ٹال نہیں سکتا تھا۔ اور اگر اس حدیث کو واجب القبول نہ سمجھا جائے تب بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے قیام کے لئے معاشرے میں جن احوال و اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے ان کا قوام چوتھی ہی خلافت کے زمانے میں بگڑ گیا تھا اور حضرت معاویہؓ کے جن اقدامات کو انقلاب کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے وہ اگر نہ بھی معرضِ ظہور میں آتے تب بھی ناممکن تھا کہ حکومت و سیاست کا ڈھانچہ ویسا ہی باقی رہتا جیسا کہ وہ خلیفۂ اوّل کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

خلیفہ کے فرائض

امام ماوردی نے خلیفہ کے حسب ذیل فرائض شمار کرائے ہیں:۔

(۱) پہلا فرض یہ ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے۔

(۲) انصاف کو رائج کرے کوئی زبردست ظلم نہ کرنے پائے۔

(۳) ملک کی حفاظت کرے تاکہ رعایا اطمینان سے معاشی کاروبار کر سکے۔

(۴) مسلمانوں کی طرح غیر مسلم رعایا ذمی وغیرہ کے جان و مال محفوظ رہیں۔

(۵) بیت المال سے مستحقوں کے لئے معقول وظیفہ و مشاہرے جاری کرے جو بروقت ملا کریں۔

(۶) دیانت دار قابل اعتماد لوگوں کو کلیدی عہدے دیئے جائیں۔

(۷) خلیفہ سلطنت کے تمام امور کی نگرانی کرے اور تمام واقعات سے باخبر رہے تاکہ صحیح طور پر ملک و ملت کی حفاظت ہو سکے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔ يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ یعنی اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے۔ تم لوگوں کے معاملات میں فیصلہ حق و صداقت کے ساتھ کرو۔ اسی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کی تفویض کے ساتھ خود خلیفہ کو امورِ سلطنت میں عدالت و صداقت کا پابند بنایا ہے۔
(الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۱۵)

ہم خلفائے راشدین کی زندگی دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جو اسوۂ حسنہ پیش فرمایا تھا۔ اس کی اتباع بڑی حد تک ان حضرات نے کی۔ اور آپؐ ہی کے نقوشِ قدم پر یہ حضرات چلتے رہے۔ رعایا کے معاملات کی نگرانی حق و صداقت کا اظہار، عدل و انصاف کی ترویج و اشاعت اپنی پوری زندگی میں اس طرح محتاط ہو کر فرمائی کہ ان کی دیانت و امانت اور عدالت، صداقت کو دیکھ کر تو بس یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہوں اور سمجھ رہے ہوں کہ وہ ان کے معاملات کی خود نگرانی کر رہا ہے اور وہ اسکی غلطیوں کی بازپرس کرنے والا ہے۔ اس احساس آخرت اور استحضار حیات کے سبب ان کی خلافت میں امانت و دیانت عدالت و صداقت کے چار چاند لگ گئے اور دنیائے انسانیت میں ان کا دَور عدل و انصاف کا بہترین دَور مانا گیا۔

ان حضرات کے دورِ خلافت میں عظیم الشان فتوحات ہوئے

خلفائے راشدین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات و معاملات اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے سلسلہ میں جس قدر بھی ہدایات صادر فرمائیں صحابۂ کرام نے خصوصاً خلفائے راشدین نے انھیں پوری توجہ کے ساتھ پیش نظر رکھا اور امت کی نگہبانی انھیں کے دائرے میں رہ کر فرمائی۔ اقامتِ دین، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ خلقِ خدا کے حقوق اور مفادِ عامہ کے تمام عادلانہ فرائض ادا کئے۔ کاشتکاروں کے ساتھ مراعات، غیر مسلم رعایا کے حقوق، مال گذاری خراج اور جزیہ میں انتہائی مشفقانہ روش اختیار کی، زمانۂ قحط و افلاس میں تمام رعایا کی خصوصی نگہداشت، اقتصادی ومعاشی ضروریات کی بہم رسانی، وظیفۂ عام، اقامتِ حدود، قضاۃ وولاۃ کا تقرر، عدل وانصاف کی ہمہ گیری، عمّال کا عزل ونصب، امانت و دیانت، ضعیف وقوی کے حقوقِ عامہ میں مساوات، بیت المال کی حفاظت اور دیگر ص. امقاصد عالیہ کے لئے خلفاء نے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔ پیش نظر مقالہ میں خلفاء کی زندگی کے انھیں واقعات اور کارناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا تعلق حقوق العباد، عدل وامن، دیانت وامانت اور رحم وسلوک وغیرہ سے ہے امید ہے کہ ہمارے ناظرین ان واقعات کو پڑھ کر اس کی تصدیق کریں گے کہ ان خلفاء کرام نے انسانیت نوازی ورعایا پروری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی بڑی دلدادگی کے ساتھ تعمیل وتکمیل کی اور بڑی حد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ادا قائم مقامی فرمائی اور لقبِ خلافت کے بالکل بجا طور پر مستحق ہوئے۔ بلا شبہ خلفائے اسلام نے دینی ودنیوی قومی، شخصی اور ملکی وسیاسی مقاصد ومصالح کی تکمیل وترقی کے لئے اپنی وسیع ذمہ داریوں کو حتی الوسع ادا کیا۔ جزاہم اللہ باحسن الجزاء۔

نظمِ مسائل کیلئے انعقادِ خلافت ضروری ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ اہلِ دنیا کے معاملات کی تولیت اور حفاظتِ خلقِ دنیا کے اہم فرائض میں داخل ہے اس لئے کہ مخلوقِ خدا بظاہر منفرد ہے لیکن احتیاجات ایکدوسرے کے ساتھ اس قدر وابستہ ہیں کہ زندگی اجتماعی گذارنی پڑتی ہے اور ہر اجتماع کے مفاسد و فتن کے سدِ باب واصلاح کے لئے ایک سردار کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اختلافات ونزاع کے پیدا شدہ مسائل اسکے پاس طے ہوجایا کریں۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تین آدمی بھی کسی سفر میں ہمراہ چل رہے ہوں تو ضروری ہے کہ اپنے میں سے کسی کو سردار منتخب کرلیں (ابوداؤد عن ابی سعید الخدری) اسی طرح مسند احمد کی روایت ہے کہ زمین کے کسی گوشہ میں اگر صرف تین آدمی آباد ہوں تو اس اجتماعِ قلیل میں بھی لازم ہے کہ اپنے میں سے کسی کو اہل دیکھکر اپنا سردار مقرر کرلیں۔ (مسند احمد بروایت عبداللہ ابن عمرو) شیخ الاسلام ان احادیث کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ جب عارضی سفر او قلیل ترین آبادی میں ایک شخص کا امیر بنانا لازم ہے تو دوسرے تمام چھوٹے بڑے اجتماعات کیلئے رئیس وامیر کا انتخاب بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بھی فرض فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا نفاذ بلا امیرِ شرعی کے ممکن نہیں اسی طرح مظلومین کی رعایت اور مجرمین پر اقامتِ حدود وغیرہ بھی بلا سلطان و بلا امیر کے ممکن نہیں اسی واسطے کہا گیا ہے ستون سنۃ من امام جائر اصلح من لیلۃ بلا سلطان والتجربۃ تبین ذالک۔ یعنی اگر سلطان ظالم بھی ہو تو ساٹھ برس اس کے مظالم کے اندر رہ کر گذارنا بہتر ہے، لیکن وہ ایک رات بہتر نہیں جب کہ کوئی سلطان نہ ہو اور طوائف الملوکی اور انتشار و بدنظمی پھیلی ہو۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں تجربات اسکی تصدیق کرتے ہیں کہ بدنظمی اور خودسری کے دور میں خلقِ خدا کا کسقدر خون خرابہ ہوتا ہے اور کس قدر جان ومال پر تباہیاں برپا آتی ہیں۔ شیخ الاسلام آخر میں لکھتے ہیں:-

"فالواجب اتخاذ الامارۃ دینا وقربۃ یتقرب بہا الی اللہ تعالیٰ السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ (ص ۱۶۲ والیضاً الحسبۃ فی الاسلام ص ۵) یعنی امیر کا تقرر و انتخاب دین اور قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر نہایت ہی نیک نیتی

سے کرلینا سب اہلِ اسلام پر لازم ہے۔

خلافت کا شورائی نظام

اب یہ بھی دیکھیے کہ خلیفہ کا انتخاب اور اسی طرح خلافت کا سارا نظام "وامرھم شوریٰ بینھم" کے ماتحت ہے۔ یعنی مسلمانوں کے تمام کام باہم مشورہ سے طے پایا کریں گے کنز العمال میں ایک حدیث موجود ہے۔ "لا خلافۃ الا عن مشورۃ" (کنز العمال جلد سوم صفحہ ۱۲۹) شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اولوالامر و خلیفۂ وقت کے لئے مشورہ سے کام کرنا لازم ہے۔ قرآن کریم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حکم ہے "وشاورھم فی الامر" کہ آپ معاملات میں اپنے لوگوں سے مشورہ کرلیا کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ آپ کے مشورہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ "لم یکن احد اکثر مشاورۃ لاصحابہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح بکثرت اپنے اصحاب کے مشوروں کو لیا ہے اتنا کسی نے اپنے رفقاء سے مشورہ نہ لیا ہوگا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جن پر خطا و صواب کے اظہار کے لئے آسمان سے وحی آسکتی تھی) مشورہ کے بعد اصحابؓ کی رائے کا پتہ لگایا ہے تو نبی اکرم کے خلفاء پر مشوروں سے کام کرنا اور بھی اشد ضروری ہے۔ خلیفۂ وامیر پر لازم ہے کہ ہر ایک کی رائے معلوم کرے جس کی رائے کتاب اللہ و سنتِ رسولؐ سے زیادہ موافق و اشبہ نظر آئے اسے قبول کرے۔ (السیاسۃ الشرعیہ)

الحمد للہ تمام خلفاء راشدین نے نظامِ خلافت میں تمام امورِ جزئیہ و پیش آمدہ حوادث میں کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کی رہنمائی حاصل کرنے اور اپنے اصحاب و رفقاء کی رائے معلوم کرنے میں ہمیشہ سعیِ جمیل فرمائی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا دورِ خلافت بھی اسی طرح گذرا۔ شخصی جبر و استبداد سے ہرگز کوئی مسئلہ طے نہ فرماتے، بلکہ اصحاب کو جمع کرکے فرماتے۔ "اتانی کذا وکذا فھل علمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ فی ذالک بقضاء الخ" (شہیر مشاہیر الاسلام جلد اول صفحہ ۔۔ و اعلام الموقعین لابن القیم) یعنی ایسا ایسا معاملہ درپیش ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس طرح کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ دیا ہو؟ حضرت عمرؓ کے دور میں تمام پیش آمدہ مسائل مجلسِ شوریٰ ہی میں طے پاتے تھے پوری طرح مشورہ اور مباحثہ کے بعد کثرتِ رائے یا اتفاقِ آراء سے اہم قومی و ملکی اور سیاسی و اقتصادی اقدامات کا فیصلہ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کی مجلسِ شوریٰ کے ممتاز افراد کا ذکر صاحبِ کنز نے کیا ہے اس میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ وغیرہ تھے۔ (کنز العمال جلد سوم صفحہ ۱۳۴) ان کے بعد کے خلفاء حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی زندگی بھی اسی کے مطابق گذری ان سب نے انصار و مہاجرین کے اجلہ صحابہؓ کے مشورہ کی پابندی کی ہے۔ فرضی اللہ عنھم ورحمھم رحمۃ واسعۃ

خلیفہ و سلطان میں امتیاز

خدمتِ عوام اور مفادِ ملک و ملت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء نے اپنے دور میں جس قدر مساعیِ جمیلہ فرمائی ہیں، سلاطین یا ملوک کے بدنام لقب سے ان کو دور رکھنے کے لئے وہ کافی ہیں سلاطین جا و بے جا وصول کرکے عموماً اپنے عیش و عشرت پر خرچ کرتے ہیں اور خلیفہ بیت المال کے مال کو تمام مسلمانوں کا مال سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے ایک ایک پیسے ایک ایک درم ایک ایک چیز کا امین و محافظ قرار دیتا ہے۔ یہاں صحیح طریقوں سے آمدنی ہوتی ہے اور وہ بالکل صحیح مصارف میں صرف ہوتی ہے۔ عیش و عشرت کھانے کپڑے وغیرہ کی فراوانی و تنعم کا کبھی خیال بھی یہ حضرات نہیں فرماسکے۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے سلمان فارسیؓ سے پوچھا کہ میں سلطان ہوں یا خلیفہ؟ تو سلمان فارسیؓ نے فرمایا اگر آپ اسلامی مملوکات و اراضی سے ایک درم زائد یا کم وصول کریں اور پھر اسے بیجا صرف کریں تو آپ بادشاہ ہیں ورنہ خلیفہ (تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۹۵ و طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۲۲۱ و شہیر مشاہیر الاسلام جلد اول جزء ثانی صفحہ ۱۰۸)

اور مصر و شام و جزیرہ و بحرین وغیرہ پر قبضہ حاصل ہوا۔ ایران و فارس زیر نگیں آئے۔ سوادِ عراق بصرہ کوفہ وغیرہ کے علاقے مفتوح ہوئے۔ ان کی تھوڑی سی اقلیت نے بھاری بھرکم اکثریت کو سرنگوں کیا اور خراسان، کرمان، حمص، قنسرین، دمشق وغیرہ کو جس حسن تدبیر و حسن عمل سے حاصل کیا اور ان پر جن عمال کو حاکم بنایا۔ ایسے تمام امور سے اس مقالہ میں مجھے قطعی بحث نہیں ہے۔ میں صرف ان واقعات و معاملات کا تذکرہ کر رہا ہوں جس سے خلق خدا کی نگرانی و پاسبانی کا تعلق ہے۔ (فتوح ملکیہ و حروب سیاسیہ کیلئے فتوح الشام و اشہر مشاہیر الاسلام وغیرہ کا مطالعہ مفید و نافع ہوگا)

بدعت کیا ہے؟ بدعت کے رد میں زبردست کتاب۔ اس کے مقالات میں مدیر تجلی کا بھی ایک حقیقت افروز اور مبسوط مقالہ شامل ہے۔ طباعت و کتابت معیاری۔ یہ کتاب ہر مسلمان کے مطالعہ میں آنی چاہئے۔

وجد و سماع عرس قوالی کی حقیقت کیا ہے؟ دین میں کس سماع کی اجازت ہے اور کس کی نہیں؟ وجد کیا ہے؟ اس طرح کے سوالات کا جواب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے حقیقت نگار قلم سے۔ ایمان افروز پیش لفظ مدیر تجلی کا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

ہندی سکھانے والی کتابیں ہندی اُردو لغت ساڑھے تین روپے ● اُردو ہندی لغت ساڑھے تین روپے۔ ● ہندی ماسٹر پانچ روپے ● اُردو ماسٹر آٹھ آنے ● ہندی دفتری مراسلات ۔

مکاتیبِ زنداں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور میاں طفیل احمد کے وہ خطوط جو انھوں نے جیل سے بھیجے۔ قیمت دو روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔ پی)

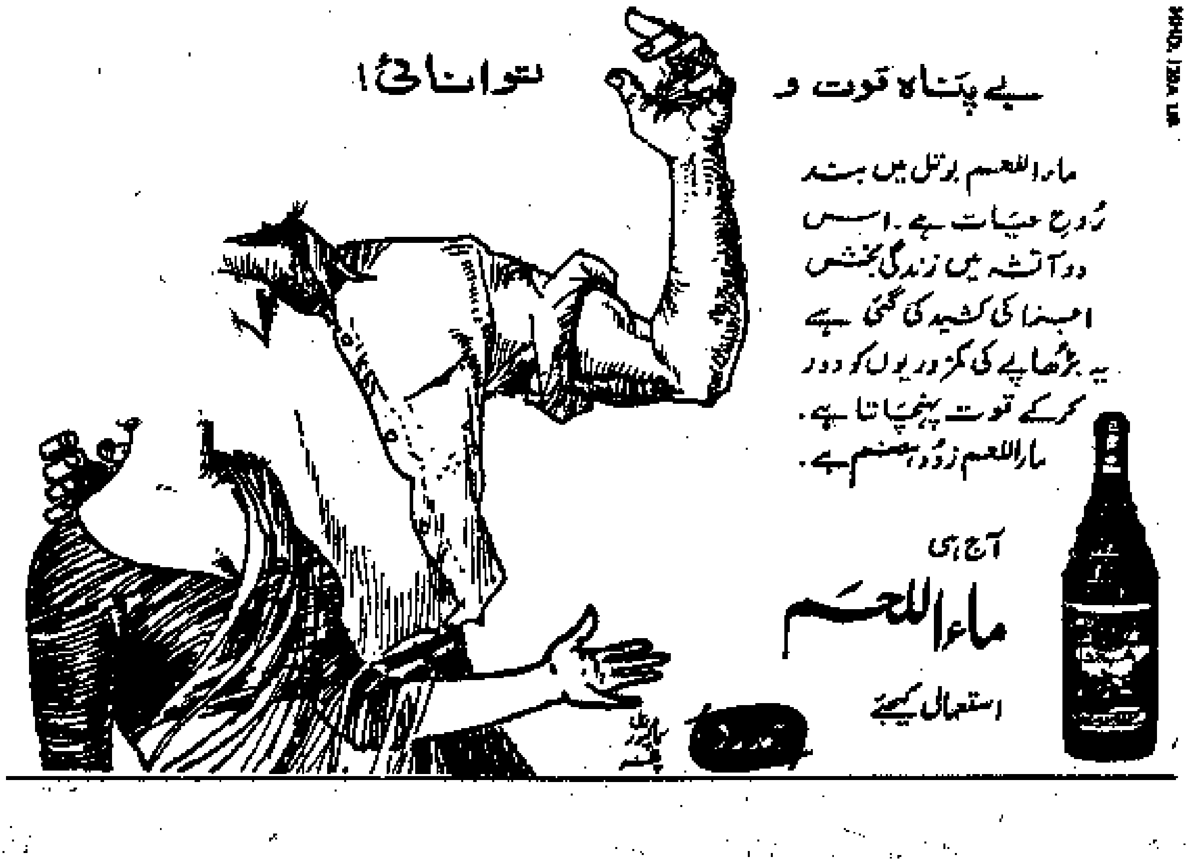

غلام احمد صاحب۔ انتساب میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ ہی ان کے ذہنی رخ اور فکری زاویئے کا اچھا خاصا آئینہ ہے

"اس میرے فکر و فہم کو نوجوان مرد و زن طالبان آزادی فکر کے نام سے معنون کرتا ہوں۔ جن کا ہر لمحہ فکر تلاش حق میں۔ دائم الصوم۔ قائم اللیل مقلد انسانوں کی عبادت سے بلند و بالا ہوا کرتا ہے کیونکہ نوجوان ارادوں ہی کے زیر سایہ زمین اور آسمانوں کی جنتیں بنتی ہیں۔"

لفظ آزادی کا جیسا شاندار اطلاق ہمارے ملک میں مسلمانوں کے حق میں ہو رہا ہے اس سے بھی کچھ زیادہ ہی مطلق العنانی کے ساتھ غلام احمد صاحب کی آزادیٔ فکر امت کے تمام ائمہ و فقہاء اور مفسرین و محدثین کو نوازتی ہے۔ مقلدوں سے انھیں علی الاطلاق نفرت ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے ائمہ و فقہاء کی علمی و فنی کاوشوں پر تکیہ کرنے والے عباد و زہاد جن کے دن روزوں میں اور راتیں سجود و رکوع میں گذرتی ہوں ایسے تمام خوش فکروں سے پھسڈی رہ گئے جو حدیث، تفسیر، فقہ اور آثار صحابہ وغیرہ سے کامل طور پر دست کش رہتے ہوئے تلاش حق کے میدان میں فکری گھوڑے دوڑائیں۔

کاش غلام احمد صاحب اس سورج جیسی واضح حقیقت کو نظر میں رکھتے کہ ہمارے زوال، ہماری تباہی اور ہمہ جہتی انحطاط کی وجہ کم علمی اور اسرار دین سے ناواقفی نہیں ہے، بلکہ وہ بے حسی، بے عملی اور بے راہ روی ہے جو ہمارے قوائے عمل پر مسلط ہو کر رہ گئی ہے۔ خالی خوش فکریوں اور ارادوں سے جنتیں نہیں بنا کرتیں، جنتیں بنتی ہیں عمل سے۔ قرآن کی تمام لمبی چوڑی تفسیروں کو، نکتہ سنجیوں کے سارے پشتاروں کو دریا برد کر دو۔ بس سیدھے سادے قرآن پر اسی طرح عمل کر کے دکھا دو جس طرح اللہ کے رسول کی نگرانی میں صحابہؓ نے کیا تھا ارضی و سماوی دونوں طرح کی جنتیں سامنے ہیں۔ محض باتیں بناتے رہو، قلم اور زبان کی کیچی چلاتے رہو، واہ واہ ضرور ہو جائے گی مگر جنت کا سایہ تک نصیب نہیں ہوگا۔ یہ کیا کہ تلاش حق میں فقط خیالی اڑانیں دکھلانے والے جنتیں بنائیں گے غلط ہے۔ حق آشکارا ہو چکا۔ اس کے بعید و غامض اسرار پر جیسے تدبر کرنا ہے کرے، لیکن جو کچھ آشکارا ہو چکا ہے اسے بھی تو جہد و عمل کا جامہ پہنائیے۔

ہم نے قرآن ازم کو بہت سے مقامات سے پڑھا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مصنف نے بے حد محنت کی ہے۔ کاوش تفکر کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ بڑی عمدہ فہرستیں، گوشوارے اور ابواب قارئین کو دیئے ہیں۔ گوناگوں اعتبار سے ان کی عرق ریزیاں لائق تبریک و تحسین ہیں، لیکن قرآن پر کسی بڑی سے بڑی ریسرچ اور سخت سے سخت محنت کو ہم سراہ نہیں سکتے اگر ارشادات رسول، آثار صحابہ، افکار ائمہ اور اجماع امت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہو۔

ویسے تو غلام احمد صاحب مولانا مودودی کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر کو وقیع سمجھتے ہیں، لیکن اتفاق ہی کہئے کہ جگہ جگہ ان کا طرز فکر پاکستان والے غلام احمد پرویز سے ملتا ہے۔ جتنے بھی ایسے مسائل ہیں جن میں تیرہ سو سال کے علماء و ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ مگر عصر نوی کے مغرب زدہ مفسرین قرآن نے انھیں غلط اور خلاف قرآن قرار دیا ہے ان میں غلام احمد صاحب عصر نوی ہی کی بولی بول رہے ہیں۔ تکنیک بھی وہی ہے جو منکرین حدیث استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ائمہ و فقہاء کی آراء اس طرح بیان کرنا گویا وہ پورے طور پر فاتحہ فقہ دیکھ چکے ہیں اور تمام موافق و مخالف ادلہ کا جائزہ لینے کے بعد فقہاء کی غلط فکری واضح کر رہے ہیں۔ حالانکہ غلام احمد پرویز کی طرح "قرآن ازم" کے مصنف کو بھی ہم نے کتاب آئینے میں ایسا ہی پایا ہے کہ نہ تو انھیں صحیح طور پر اقوال فقہاء کی خبر ہے نہ ارشادات رسولؐ سے آگاہ ہیں مگر فقہاء کی تردید اور احادیث کی من مانی تاویل اس طرح کرتے ہیں گویا ان سے بڑھ کر متبحر اور غواص کوئی نہیں۔ مروجہ سود، قربانی، تعدد ازواج، وصیت، غلامی اور کتنے ہی مسائل میں غلام احمد صاحب کا فکر ٹھیک وہی ہے جسے وہ معصومیت سے فکر قرآنی سمجھتے ہیں، لیکن جس کا منبع مغربی افکار کے غلبے اور حب قرآن

صلی اللہ علیہ وسلم سے انقطاع کامل کے فاسد ارتباط سے ہوا ہے۔ ان کے فکری رخ کا اندازہ صرف دو ہی فقروں سے کیجئے:۔

"شفاعت کے سلسلہ میں محمد عربی صلعم سے جسقدر احادیث منسوب یا مروی ہیں وہ آپ کی ذات اطہر و مقدس پر بہتان عظیم ہیں۔ اس کو آپ کی تعلیم و تربیت قرآن ازم سے بھی دور کا بھی واسطہ نہیں خواہ وہ کیسی ہی مستند کتاب میں موجود ہوں یا کسی بھی صحابی سے بیان ہوئی ہوں" (حصہ ثنی ص۲۵)

یہ دم خم جہاں ہو وہاں ہم جیسے محدود فکر والے مقلد ملا کیا بولیں گے۔ احادیث کے جامد مقلد ہم بھی نہیں۔ بخاری و مسلم تک کو ہم یہ درجہ نہیں دیتے کہ کوئی شخص ان کی کسی روایت پر کلام کر ہی نہ سکے۔ مگر یہ کلام علمی و فنی اصولوں کے تحت ہونا چاہیئے۔ جو لوگ مسلمہ اصول و قواعد اور متفق علیہ مبادیات و مقدمات کو یکسر نظر انداز کرکے محض اپنی عقل و منطق کو احادیث کی صحت اور عدم صحت کا معیار منوانا چاہیں انھیں ہم ضال و مضل قرار دیں گے۔ منکرین حدیث کی طرح غلام احمد صاحب نے بھی پہلے تو اپنے فکر کو عین قرآن قرار دیا پھر تمام ان روایتوں کو جھٹلا دیا جو ان کی دانست میں اس فکر کے خلاف ہیں چاہے ان کی صحت پر صحابہؓ و ائمہ اور تمام اساطین امت کا اتفاق ہی ہو چکا ہو۔ حیرت ہے جو لوگ اجماع امت کو بھی وقعت نہیں دیتے وہ یہ یقین کس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ جو قرآن ان کے ہاتھوں میں ہے وہ وہی ہے جو رسول اللہؐ پر نازل ہوا تھا۔ اجماع امت اور تواتر حجت نہیں ہیں تو قرآن کے اصلی ہونے پر بھی کوئی حجت موجود نہیں ہے۔ باقی غلام احمد صاحب کا فکری خمیر جن عناصر سے اٹھا ہے ان میں کا ایک عجیب و غریب عنصر ملاحظہ ہو۔

وہ مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کے مقدمے سے کچھ عبارتیں بطور تحسین و تصویب نقل کرتے ہوئے اس پر اپنے حواشی دیتے جاتے ہیں۔ مولانا مودودی نے فرمایا:۔

"پھر ایک محقق مفکر کو اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ وہ قدیم و جدید نظریات اور تاریخی حالات کو بھی قرآن کے مطالعہ کے وقت پیش نظر رکھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ انسان نے ان بنیادی نکات پر کیا سوچا اور سمجھا ہے"

اس سے ظاہر تھا کہ مولانا مودودی کے نزدیک قدیم نظریات کا لحاظ و مطالعہ بھی ضروری ہے۔ یہ بات غلام احمد صاحب کو پسند نہیں آئی۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ متقدمین اور نزول وحی کے وقت کے مخاطبین کا فکر و نظر ہمارے بلند فکر و نظر کا مقابل نہیں ہو سکتا۔

"کیونکہ آج جس سائنسی دنیا میں ہم ہیں ہمارے مقابل چودہ سو برس ماضی کے انسان کے فکر و نظر کا ذکر ہی کیا۔ آج سے سو سال ماضی کے انسان بھی تو اس بیسویں صدی کے فکر و نظر اور ان کے معلومات کے مقابل کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے"

مطلب یہ نکلا کہ تمام امت احمق ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ قرآن کو اللہ کے رسولؐ نے اور صحابہؓ نے سب سے بہتر سمجھا اور جو ان کے زمانے سے اقرب ہے اس کا فہم قرآن زیادہ معتبر ہے۔ عقلمندی کی بات یہ ہے کہ وہ تو فکر و نظر کی طفولیت کا عہد تھا۔ اب فکر و نظر پر جوانی آئی ہے۔ صحابہؓ و ائمہ بیچارے ہم آج کے مفکرین و عقلاء کے بالمقابل کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کے غلبۂ و تسلط کی اس سے واضح مثال اور کیا ہوگی ــــ گویا قرآن بھی سائنس کی کوئی کتاب ہے اور دین ماديات کا کوئی مسئلہ ہے کہ جتنی جتنی سائنس ترقی کرے گی اتنا ہی اتنا فکر قرآنی روشن ہوتا چلا جائے گا۔

غلام احمد صاحب کے سارے ہی قوائے فکری پر مادہ پرستانہ انداز نظر کا اتنا تسلط ہے کہ وہ کسی بھی آیت الٰہیہ کو مادہ پرستی کی خراد پر چڑھائے بغیر قبول نہیں کرتے۔ اجنہ و ملائکہ کے بارے میں پہلے انھوں نے ایک دور از کار لمبی منطق چھانٹی پھر نتیجہ یہ نکالا:۔

"یہ تمام قوتیں بلاشبہ غیر مرئی ہیں اور ذہن انسانی

کی پیداوار بالفاظِ دیگر بے سبب ظنی مخلوق ہے۔"

اب آپ قرآن کی کتنی ہی محکم و صریح آیات پیش کئے جائیے جن سے اجنہ و ملائکہ کے بارے میں اس سے مختلف اطلاع ملتی ہو مگر غلام احمد صاحب کی فکرِ قرآنی کے آگے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

عربی زبان و لغت کو اپنی مرضی کا غلام قرار دینے کی مثالیں "قرآن ازم" میں بے شمار ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے سورۂ فلق میں نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ کے الفاظ آئے غلام احمد صاحب چونکہ جادو وغیرہ کو نہیں مانتے اس لئے نفّٰثٰت کا ترجمہ کیا ہے — "پھونک مارنے والے"۔

اب کوئی پوچھے کہ مؤنث کا ترجمہ مذکر کیسے ہو گیا؟

سورۂ فیل کی تفسیر میں اور بھی کمال دکھایا ہے۔

"لشکر میں مرض چیچک پھوٹ پڑنے سے تمام سپاہیوں کے جسموں میں چیچک کے دانے پیدا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سپاہی مر گئے جن کو مردہ چھوڑ کر لشکر نے اپنا کیمپ برخاست کر دیا۔ چونکہ زمانۂ محاصرۂ دشمن میں کوئی شہری باہر نہیں نکل سکتا تھا ان کو خبر نہ تھی کہ فوج میں مرض چیچک پھوٹ پڑا ہے جس کی وجہ سے محاصرہ اٹھا کر فوج کوچ کر گئی۔ لیکن عام طور پر اہلِ مکہ نے دیکھا ہوگا کہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ منڈلا رہے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد جب محاصرے کے ختم ہونے کی اطلاع ملی تو اہلِ مکہ باہر نکلے اور دیکھا ہوگا کہ مُردوں کے جسم میں سوراخ پیدا ہو گئے ہیں۔ اس پر سے کم سمجھ عقیدہ کے دیوانوں نے کہا کہ پرندوں نے اپنی چونچوں سے کنکریاں پھینک کر فوج کو تباہ کرا دیا۔" (حصہ کی صفحہ)

گویا جو معانی قرآن کے الفاظ سے صریح طور پر نکل رہے ہیں اور جنھیں امت کے اکثر و بیشتر ائمہ و علماء قبول کرتے آئے ہیں وہ تو "دیوانگی" کے مرادف ہیں، لیکن جو معانی غلام احمد کے دماغ نے گھڑے ہیں وہ ترقی یافتہ فکرِ قرآنی کا شاہکار ہیں۔ دلیل بھی ملاحظہ ہو:-

"نزولِ وحی کے وقت خواص اہلِ مکہ کے ذہن میں طیر کے معنی تباہی و مصیبت اور ابابیل کے معنی "پے در پے" اور حجارہ کے معنی چیچک کے دانے ہی بلحاظِ محاورہ ہوں گے اور یقینی ہوں گے لیکن جب فنِ لغت منظرِ عام پر آیا تو لغوی معنی لئے گئے۔"

کیا دنیا کے کسی علم و فن میں جواب ہے اس استدلال کا — اگر عربی زبان و لغت پر گذشتہ تیرہ سو سالوں میں کوئی ایسا دور آیا ہوتا کہ جس میں اس کا نام و نشان دنیا سے مٹ گیا ہوتا اور پھر بعد میں اسے نئے سرے سے مدون کیا گیا ہوتا تب تو کسی کے یہ کہنے کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ فلاں لفظ کے پہلے یہ معنی ہوں گے اور فلاں لفظ محاورے میں یوں بولا جاتا ہوگا — لیکن بحالتِ موجودہ جب کہ واقعۂ فیل سے اب تک عربی زبان و لغت ایک مسلسل زنجیر کی حیثیت سے موجود ہیں۔ درمیان کی کوئی کڑی غائب نہیں ہے۔ اس طرح کی قیاس آرائیاں کرنا سوائے خود پرستی و فریب خوردگی کے کیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس طرح کی نکتہ سنجیوں کو ایک ناموزوں ذہن کی ترنگ کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

تمثیل میں موصوف نے لفظ "اسد اللہ" کو پیش کیا ہے اور یہ بے پرکی اڑائی ہے کہ:-

"عوام خواب میں حضرت علیؓ کا تصور شیر کی تصویر ہی میں دیکھتے ہیں۔"

لاحول ولا قوۃ کے سوا اس پر کیا کہا جائے۔

ہمیں یقین ہے کہ غلام احمد صاحب مخلص ہیں۔ انھوں نے جہد و کاوش بھی بہت کی ہے۔ لیکن آدمی کا رُخ اگر پاتال کی طرف ہو تو جتنی زیادہ کوشش وہ آگے بڑھنے کی کرے گا اتنا ہی اتنا پستی میں اترتا جائے گا۔ احادیث، آثارِ صحابہؓ اور افکارِ ائمہ سے بے نیاز ہو کر قرآن میں فکر کرنا اور گل بوٹے تراشنا ایسا ہی ہے جیسے ایک پھولدار بیل کی جڑ تو آپ کاٹ دیں اور اس کی شاخوں پر کاغذ کے خوش رنگ پھول بن کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فکرِ قرآنی سے بچائے جو

باقی بر صفحہ

مستقل عنوان

از: ملّا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

(تاریخ نوشت ۷ر نومبر ۱۹۶۶ء)

زندہ جنازے

ثقافتی اُمور کے وزیر جناب ہمایوں کبیر صاحب کو انشوٗ سو سال تک وزیر بنائے رکھے چشم بد دور وہ ابھی مدرسہ دار العلوم دیوبند میں پدھارے تھے۔ پدھارنے اور تشریف لانے میں ایک باریک فرق ہے۔ تشریف لانا کچھ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی داڑھی والے بزرگ عصا ہاتھ میں لئے چلے آ رہے ہوں لیکن پدھارنا بڑا صاف ستھرا لفظ ہے۔ اس میں تازہ منڈی ہوئی داڑھی اور مونچھوں کا تصور بڑی خوبی سے جھلکتا ہے، بلکہ آپ بھویں بھی صاف کرالیں تو یہ لفظ آپ کی نمائندگی پوری پوری کرے گا۔

دیکھئے بھی ہندی سرکاری زبان ہے اور کسی سرکاری مہاشے کے خیر مقدم میں سرکاری زبان کا استعمال نہ کیا جائے تو فرقہ پرستی کا الزام بڑی صفائی سے لگ سکتا ہے۔

تو خیر شری ہمایوں کبیر پدھارے بھی تھے اور ایک عدد بھاشن بھی دیا تھا۔ بھاشن کی جگہ خطبہ کہا جائے تو آپکو مطلب سمجھنے میں آسانی ہوگی مگر بدقسمتی سے عاجز کو یہ نہیں معلوم کہ خطبے کو ہندی میں کیا کہتے ہیں۔ ایک کانگریسی دوست سے دریافت کیا تو وہ سٹپٹا کے کہنے لگے:

"ٹھیک طور پر تو یاد نہیں، شاید نئی ہندی میں تقریر کو "بکواسیہ" کہتے ہیں۔"

میں نے احتجاجاً عرض کیا — "مترمان جی بکواسیہ تو ہم جیسے ٹٹ پونجیوں کی تقریر کو کہتے ہوں گے۔ بھلا وزیر وزراء کی تقریر کو یہ نام دے کر ہم کے دن جیل سے باہر رہ سکیں گے۔"

جھنجلا کے فرمایا — "اجی چھوڑیے بھی سیدھی ترکیب ہے۔ قاف کو کاف سے بدلکر "تکریر" لکھ دیجئے ہندی بن جائے گی۔"

یہ ترکیب ممکن ہے آپ کو نہ جچے مگر مجھے تو بڑی جامع نظر آئی۔ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا۔ اب لفظ "خطبہ" ہی کو دیکھئے۔ یہ لفظ ایسا غیر جمہوری ہے کہ اگر بھارت سرکار کو یقین ہو جائے کہ اس کا کوئی وزیر دار العلوم میں بھاشن یا واکھیان دینے کی بجائے خطبہ دے کر آیا ہے تو بعید نہیں کہ اگلے الیکشن کے ٹکٹ سے بھی محروم کر دیا جائے۔ لہذا صحیح تر بات یہ ہے کہ موصوف نے خطبہ نہیں "تکھتبہ" دیا جس میں بڑی بڑی ایمان افروز باتیں کہیں۔ ایمان افروز باتیں اپنے دیش میں اتنی ارزاں ہو چکی ہیں کہ بسا اوقات ان سے پنڈت نہرو تک شغل فرماتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایمان اور بھگوان وغیرہ میں قطعاً دلچسپی نہیں رکھتے۔

پس بڑی ایمان افروز باتیں کہیں شری ہمایوں کبیر نے اور سامعین کے دلوں کو اسی طرح لبھایا جس طرح ہمارے پنڈت نہرو آبدوگی طرح دشمنا اور فرقہ پرستی کی مذمت میں ریکارڈ توڑ تقریریں کر کے مسلمانوں کے دل لبھاتے ہیں جیسا کہ حق ہے لبھانے کا۔ متعدد اخبارات نے شری موصوف کی تقریر اور تشریف آوری کو جس طرح سراہا ہے اس پر عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے مگر عش عش کا ہندی ترجمہ نہیں معلوم اور جب تک ہندی میں عش عش نہ کیا جائے کسی سچے بھارتی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی۔ لہذا عش عش تو فی الحال ملتوی مگر یہ خوشخبری ضرور آپ سن لیں کہ وزیر باتدبیر دار العلوم کے لئے ایک نہ دو اکھٹے دس ہزار روپے کی پیش کش بھی کی ہے۔

بشرطیکہ وہ مغربی زبانوں کا شعبہ کھولنے کی طرف توجہ دے اور یہ آپدیش بھی دیا ہے کہ اگر حکومت بطور خود کوئی امداد پیش کرے تو دارالعلوم کو اسے قبول کر لینا چاہیے۔

اس پر مولانا درویش علی بہت مغموم ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگے:۔

"بہت بُرا زمانہ آگیا ہے مُلّا۔ اللہ اب تو اُٹھا ہی لے"

"خیریت؟" میں چونکا۔ وہ دردناک لہجے میں بولے۔

"خیریت کہاں۔ اگر بزرگوں میں سے کوئی زندہ ہوتا تو عین تقریر کے وقت وزیر صاحب کے منھ پر کہتا کہ معاف کیجئے جناب عالی! آپ کا روپیہ آپ ہی کو مبارک۔ ہم غریبوں کے بچے کھچے ایمان کو سلامت رہنے دیجئے۔ ہم آپکی حکومت سے پیسہ نہیں چاہتے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ ہماری چٹائیوں اور چٹائیوں پر آپ کی نگاہِ عنایت نہ پڑنے پائے۔"

میں نے آنکھیں پھڑپھڑا کے انھیں گھورا۔ ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ حلق رُندھ گیا تھا۔ شاید وہ نیم بیہوش ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔

"آپ تو حضرت دارالیتامیٰ کھولدیجئے" میں نے مشورہ دیا "پہلا نام خادم ہی کا حاضر ہے۔"

"ٹھٹھول مت کرو مُلّا" انھوں نے دُکھ بھری آواز میں التجا کی "خدا کی قسم جگر ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا ہے جب کرسی نشینوں کے آگے علماء کو ڈنڈوت کرتے دیکھتا ہوں۔ کاش تم دیکھتے کیا سماں تھا۔"

"میں آپ کی طرح تنگ نظر نہیں ہوں جناب" میرا لہجہ کھُرا تھا "میری نظر میں تو اب سیاستِ دینیہ اسی کی متقاضی ہے کہ علماء مصلحت پالیسی اختیار کریں اور قومی تال میل کے لئے علیحدگی پسندی کے رجحانات سے دستبردار ہو جائیں۔ حکومت سے مالی امداد قبول کر لی جائے تو جذباتی ہم آہنگی کو تقویت پہنچے گی۔"

"چونچ بند کرو" وہ دہاڑے۔ ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے مار بیٹھیں گے "یہ الفاظ تم نے طوطے کی طرح رٹ لئے ہیں۔۔۔ قومی تال میل۔۔۔ جذباتی ہم آہنگی۔۔۔"

ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے وہ اسی طرح دانت پیس رہے تھے جیسے لوہے کے چنے چبا رہے ہوں۔

"جانتے ہو یہ الفاظ کیا ہیں۔ محض دھوکا۔ چالبازی مکاری۔۔۔ اکثریت کے نمائندے یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی داؤ پیچ سے مسلمانوں کو اپنے میں ضم کر لیں۔۔۔"

"معاف کیجئے۔ میں اس وقت سیاست پر بولنے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے کہا:۔

وہ کھوئی کھوئی نظروں سے مجھے تکتے رہے جیسے میرے الفاظ سن ہی نہ رہے ہوں جیسے ماحول سے بے تعلق کہیں دُور دیکھ رہے ہوں۔ ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پلکوں میں اُلجھے ہوئے آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے تھے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے چیخ پڑیں گے لیکن چیخے نہیں بلکہ گھُٹی گھُٹی ہچکیاں لینے لگے۔ میں حیران تھا انھیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے کہ اتنی لمبی داڑھی لگا کر رو رہے ہیں۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ کس طرح ان کا رونا دھونا بند کراؤں اچانک مجھے اپنے رخساروں پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ ہاتھ بے اختیار رخساروں پر گیا مگر ثابت ہوا کہ چیونٹیاں نہیں تھیں۔ پھر کیا مکھیاں تھیں؟ ۔۔۔ جی نہیں یہ تو آنسو تھے جو نوٹس دیئے بغیر بہہ پڑے تھے۔ اب آنکھوں کے آگے پانی کا لرزتا ہوا سا پردہ پھیل گیا۔ سچ مچ میں رو رہا تھا۔ بڑا غصہ آیا۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ میرا ہاتھ اپنے رخساروں پر چل گیا۔ ساتھ ہی میں نے اپنے آپ کو ڈانٹا۔

"ابے روتا کیوں ہے۔"

"رو مُلّا خوب رو" مولانا کی لرزتی ہوئی آواز اُبھری "خدا کی قسم رونے ہی کا زمانہ ہے۔"

ان کی حوصلہ افزائی سے میری طبیعت کھُل گئی۔۔ خوب جی بھر کے رو دیا۔ پھر روتے ہی روتے شکوہ کیا:۔

"مولانا! آپ اُن فرقہ پرستوں کو تو کچھ کہتے نہیں جو فتنہ و شر کے ذمہ دار ہیں۔ غریب مسلمان وزیروں پر آنسو ضائع کر رہے ہیں۔"

"فرقہ پرست کس چڑیا کا نام ہے عزیزم" وہ غرّائے "یہ اصطلاح تو ننگا بھگتوں نے اپنے کرتوت چھپانے کے لئے گھڑی ہے۔ فرقہ پرستی کا شجرۂ نسب اٹھا کے دیکھو گے تو سلسلہ اُن دشٹ بھگتوں تک پہنچے گا جن کی زبانیں فرقہ پرستی کے خلاف نعرہ لگاتے لگاتے سوکھ گئی ہیں۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم! اہلِ کفر کی چیرہ دستیوں سے مجھے کوئی اندیشہ نہیں، مگر مجھے ڈر ہے کہ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں دین وملت کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔"

تقریباً نصف گھنٹے میں ہم دونوں کا بخارا ترا — بخار ہی کہئے۔ بھلا جس وزیر باتدبیر کی آمد کو فاضل مدیرانِ جرائد نے مونچھوں پر تاؤ دیکر سراہا ہو اور علمائے حق نے ان کی خدمت میں سپاس ونیازمندی کے پرچے پیش کئے ہوں اس کی آمد پر دو داڑھی والے ٹسوے بہائیں اسے بخار نہیں تو مالیخولیا ضرور کہیں گے۔ مولانا نے بستے سے ایک اخبار نکالا اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا لو اسے پڑھو۔

ان کی انگشتِ شہادت ایک خاص خبر پر تھی۔ اس خبر میں بتایا گیا تھا کہ یوپی کے حالیہ آشوب پر پاکستان نے جو بھی احتجاج کیا ہے اس کے بارے میں جنرل شاہنواز ڈپٹی منسٹر ریلوے نے فرمایا:-

"ہندوستان کے خالص گھریلو
معاملات سے پاکستان کا کوئی
مطلب نہیں۔"

نیز یہ بھی فرمایا:-

"فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوئے
بلکہ غنڈوں نے لوٹ مار کی۔"

میرے کلیجے میں گھونسا سا لگا۔ آنکھیں مل کے دوبارہ پڑھا۔ الفاظ جوں کے توں تھے۔

"مگر" میں نے عرض کیا "اس میں ہمایوں کبیر صاحب کا ذکرِ خیر کہاں ہے؟"

"ایک ہمایوں کبیر صاحب کی کیا خصوصیت ہے" انھوں نے تلخ لہجے میں فرمایا "جتنے بھی مسلمان اونچے عہدوں پر پہنچے ہوئے ہیں اِلّا ماشاء اللہ سبھی کا طرزِ فکر یکساں ہے وطیرے بھی ایک ہی جیسے ہیں۔ اعمال واشغال میں بھی کوئی بنیادی فرق نہیں۔ ان کے ضمیر، ان کے فکر ونظر، ان کے قلب وروح سب الیکشن کا ٹکٹ بن چکے ہیں۔ تم نے پڑھا ہوگا ابھی وزیر قانون نے گوا وغیرہ کے سلسلے میں صفائی کے ساتھ فرمایا تھا کہ اگر کسی ملک میں بنیادی انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہو تو یہ اس کا گھریلو معاملہ نہیں رہتا لیکن جب اپنے ہی ملک میں مسلمانوں کے جان ومال، عزت آبرو اور امن وعافیت سے خون کی ہولی کھیلنا روز کا معمول بن جائے تو یہ معاملہ فوراً گھریلو بن جاتا ہے اور پاکستان معمولی سا رسمی سا احتجاج بھی کرے تو انسانی حقوق کا قانون چوہے کے بل میں جا گھستا ہے۔ خیر بڑے وزیروں کا تو شکوہ نہیں کہ نہرو اور ان کے قبیلے کو تو بہرحال اسلام کی قبر پر ہی اچین بھارتی سنسکرتی کا راج محل تعمیر کرنا ہے۔ وہ جن سنگھی ہوں یا مہاسبھائی۔ سیوک سنگھی ہوں یا کانگریسی سب عملاً اس پر متفق ہیں کہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے۔ یہاں ہندو کلچر ہی کو جینے کا حق ہے۔ یہاں ہندو دیومالا ہی کی تعلیم ہوگی یہاں الفاظ واصطلاحات کے پردوں میں ہندوازم ہی راج کرے گا۔ لیکن ان کرسی نشین مومنوں کو دیکھو۔ انکا اسوۂ وکردار کیا ہے۔ ان کے دل وضمیر دین کے کس مرحلے میں ہیں۔ ان کے ہونٹوں پر مظلوم ومقتول مسلمانوں کی ہمدردی اور ظالم وقاتل ابنائے وطن کی واجبی مذمت کے لئے تو ٹاٹا آئرن کمپنی کے بھاری قفل پڑے ہوئے ہیں لیکن ذرا پاکستان بول پڑے کہ بھائی یہ قتل وغارت کیسا تو یہی قفل کھٹ سے کھل جاتے ہیں اور کفن پھاڑ کے مردہ بولتا ہے کہ خبردار! یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ تم بولے تو ہمارے کوسنوں کے حلیے بگاڑ دیں گے۔

"مگر قبلہ" میں نے ٹوکا "یہ ہے تو بُری ہی بات کہ پاکستان خواہ مخواہ واویلا مچاتا ہے۔ اس سے یہاں کے فرقہ پرستوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ بھارتی مسلمانوں کا یارانہ

پاکستان سے ہے۔"

"جھک مارتے ہو" وہ تڑخے "اسلام کے رشتے سے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اگر ایک ہندوستانی مسلمان کی موت پر امریکہ یا افریقہ یا عرب کے کسی مسلمان کی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر آہیں آجائیں تو کیا اسے سازش کہیں گے؟ رہی خواہ مخواہ کی بات۔ تو عزیزم اگر بیٹا یا بھائی یا باپ مر جائے تو اس کی لاش پر رونا بھی اس معنے میں خواہ مخواہ ہی ہے کہ اس سے کسی کو ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچتا۔ فرقہ پرست کیا کہتے ہیں۔ اس کا لحاظ کروگے تو نماز اور قربانی اور حج سب سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ فرقہ پرستوں کے نزدیک تو مسلمان ہونا ہی فرقہ پرست ہونا ہے۔ شری چرن سنگھ تک ـــ جو یوپی کے وزیر داخلہ بھی ہیں اور بڈھے کانگریسی بھی ـــ یہی سُر مِن الاپ رہے ہیں کہ مسلمان علیحدگی پسند ہیں۔ انھیں اپنے کلچر کو ہندوستان کے دھار کلچر میں جذب کر دینا چاہئے ـــ اور یہ ہندوستانی کلچر کیا ہے؟ ـــ پراچین بھارتی کلچر ـــ دیومالا اور ذات پات کا کلچر ـــ بے شمار دیوی دیوتاؤں کا کلچر۔"

"آپ بہک رہے ہیں حضرت" میں نے توجہ دلائی "بات جنرل شاہنواز کی تھی۔"

"ہاں یہ سب ایک ہی موضوع کی شاخیں ہیں۔ ذرا سوچو تو جنرل صاحب اس قتل و غارت کو بھی فرقہ وارانہ کہنے میں شرما رہے ہیں جس میں مسلمان ہی مارے گئے۔ مسلمانوں ہی کے مال و اسباب لٹے۔ شاید وہ صرف اس وقت کسی فساد کو فرقہ وارانہ تسلیم کریں گے جب خدانخواستہ خود ان پر بھی وہی گذرے گی جو آزادی کے عہد زرّیں میں ہزاروں مسلمانوں پر گذر گئی ہے اور کوئی ہندو سورما بجرنگ بلی کا نعرہ مار کر براہ راست انھیں بشارت دیگا کہ فرقہ پرستی کے منہ میں دانت نکل آئے ہیں۔ اسوقت بھی شاید اس لئے تسلیم کریں کہ مرنے کے بعد الیکشن اور کرسی کا کوئی میدان نہیں۔"

میں حیرت سے منہ پھاڑے مولانا کا لمبا چوڑا فلسفہ سُن رہا تھا۔ آج وہ بڑے اچھے موڈ میں تھے۔ ہو سکتا ہے بیوی سے لڑ کے آئے ہوں۔

"یہ اور لو" انھوں نے ایک اور اخبار بستے سے نکال کے مجھے پکڑا دیا "تم کہہ رہے تھے ہمایوں کبیر صاحب کا ذکر کہاں ہے۔"

یہ ۴ ر نومبر ۱۹۶۱ء کا اخبار تھا۔ اس میں کلکتہ کی ایک کلچرل کانفرنس کا تذکرہ تھا جس میں پنڈت نہرو اور رادھا کرشنن نے بھی علم و معرفت کے پھول کھلائے تھے۔ یہ دونوں بزرگ بھارت کی توصیف میں جو کچھ بھی کہیں انھیں پورا پورا حق ہے۔ لیکن خیر سے جناب ہمایوں کبیر صاحب نے بھی اسی کانفرنس میں فرمایا:۔

"یہ وقت ہے کہ دنیا ہندوستان سے
مفاہمت اور تحمل کا سبق سیکھے۔"

میرے فرشتے کوچ کرنے کے لئے پر تولنے لگے۔ مجھے واقعی اچنبھا ہوا تھا کہ جبلپور اور یوپی کی تازہ بہ تازہ قیامتوں کے عین سر پر کوئی مسلمان وزیر ہندوستان کی مفاہمت اور تحمل کے گن کس منہ سے گا سکتا ہے۔ مگر اتنا بڑا کر ایک وزیر کے منہ کو اپنے منہ پر قیاس نہیں کرنا چاہئے

مجھے خاموش دیکھ کر مولانا بولے:۔

"کیوں میاں گم سُم کیوں ہوگئے۔ بولو نا؟"

"اپنا اپنا دل گردہ ہے جناب" میں نے منطق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی "مرد وہی ہے جو تڑپتی ہوئی لاشوں کے عین وسط میں کھڑا ہو کر اعلان کرے کہ "بھائیو اطمینان رکھو کسی کے خراش تک نہیں آئی ہے۔"

وہ بیزاری کے انداز میں مجھے گھورتے رہے۔ پھر تأسف کے لہجے میں فرمایا:۔

"تمہاری خوش طبعی کبھی کبھی کھل جاتی ہے۔ بڑے چلتے ہوگئے ہو۔"

مجھ پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"ب... بات یہ ہے حضرت" میں نے جھینپ کر کہا "مجھے آج ہی جنگل شاہ کے مزار پر عرس کا انتظام کرنا

ہے - بھالو قوال کی ٹکڑی آرہی ہے - مجیدن پونا والی بھی -" "جہنم میں جاؤ" وہ خفا ہو کر چلتے بنے -

برہان قاطع

۸ر نومبر

میر حشمت علی اور میاں صفدر حسین کے درمیان مدت سے یہ مسئلہ وجہ نزاع بنا ہوا تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو کیا ہیں اور کیا نہیں ہیں -

میر صاحب پرانے کانگریسی ہیں اور ان کے سرہانے گاندھی جی کی بڑی سی تصویر شاید بیس سالوں سے آویزاں ہے - وہ علی الصباح ہر کام سے پہلے اس تصویر کو کپڑے سے صاف کرتے ہیں اور پھر کئی سکنڈ اس کی طرف انتہائی عقیدت و نیازمندی کے انداز میں نظریں جمائے رہنے کے بعد بیت الخلا چلے جاتے ہیں - یہ معمول ابتداءً تو ایک رسمی معمول سے زیادہ نہ تھا لیکن پایانِ کار ایک مقدس فریضے کی شکل اختیار کر گیا تھا - وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز کسی کانگریسی سیٹھ کے یہاں ان کی دعوت تھی معمول سے زیادہ کھا گئے جس کا نتیجہ اسہال کی شکل میں برآمد ہوا - صبح اٹھے تو پیٹ کی گڑگڑاہٹ نے اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ تصویر کو جھاڑ پونچھ سکیں - پھر فارغ ہو کر آئے تو حکیم صاحب کی طرف چلے گئے - وہاں سے بھاگم بھاگ پھر بیت الخلاء جانا پڑا اس طرح روز کا معمول ناغہ ہو گیا - قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے اسی دن ان پر کئی حوادث پے درپے نازل ہوئے - ایک پرمٹ ملنے والا تھا وہ کھٹائی میں پڑ گیا - ایک ممبر پارلیمنٹ سے ملاقات طے تھی اس میں کھنڈت پڑ گئی - ایک سیٹھ سے آنے والے الیکشن سے متعلق بعض معاشی امور پر کچھ معاملہ طے ہوا تھا وہ ظالم بھی اسی روز ہارٹ فیل کر گیا -

ان تابڑ توڑ حوادث پر ان کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا کہ نظر تصویر پر جا پڑی اور معاً یاد آیا کہ آج اسے جھاڑا نہیں ہے - یہ فروگذاشت ابتداءً تو بالکل معمولی محسوس ہوئی لیکن ذہنی پیچ وتاب نے جلد ہی اسے بڑی اہمیت دیدی - انھیں خیال آیا کہ ممکن ہے یہی معمولی سی بھول نحوست کا باعث بنی ہو تاہم اتنے بڑے آدمی کی روح اس سے غافل تو نہیں ہو سکتی کہ آج اس کا سیوک خدمت سے غافل ہو گیا ہے - یہ خیال ایک ننھے سے تھنگے کی طرح بھیجے کی تہوں میں کلبلایا اور آناً فاناً پھوڑے کی طرح پھول گیا - انھیں یقین ہو گیا یہ سب اسی غفلت کا ادبار ہے - تاہم مزید تصدیق کے لئے انھوں نے اگلی صبح بھی تصویر کو نہیں جھاڑا - اس روز انھیں دیہات سدھار کی ایک عاجل اسکیم کے سلسلے میں لمبی رقم ملنے والی تھی - بظاہر کوئی رکاوٹ باقی نہیں تھی مگر عین وقت پر کسی حریف نے شوشہ چھوڑ دیا کہ میر صاحب تو پاکستانی ایجنٹ ہیں ان کا ایک لڑکا پاکستان میں کئی سو روپے کی نوکری کر رہا ہے - اس پر رقم ہاتھ میں آتے آتے رہ گئی اور میر صاحب کی ان گالیوں پر کوئی توجہ نہیں دی گئی جو انھوں نے اس ناگہانی الزام کی تردید میں پاکستان کو ایک ہی سانس میں دے ڈالی تھیں - اب تو انھیں مکمل طور پر یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ باپو کی تصویر سے غفلت کے نتیجے میں ہو رہا ہے - بھاگے بھاگے غسل خانے پہنچے - نہا دھو کے تصویر کے سامنے بیٹھے اور کئی منٹ تک رونے کی کوشش کرتے رہے - رونا گویا دلی ندامت کے اظہار اور توبہ و استغفار کی خاطر تھا مگر آنسو شاید کل کے دستوں میں بہہ گئے تھے نکل ہی کے نہ دیئے - مجبوراً ہونٹ بھینچنے اور ناک منہ سڑانے پر اکتفا کیا - پھر بڑے پیار اور شفتگی سے تصویر صاف کی بس اسی دن سے علی الصباح تصویر کو جھاڑنے پونچھنے کا فریضہ وہ مقدس ڈیوٹی کے طور پر انجام دیتے چلے آرہے ہیں -

میاں صفدر حسین بھی پرانے کانگریسی ہیں مگر کئی سالوں سے ان کے خیالات فرقہ پرستی کی طرف مائل ہو گئے ہیں - وہ ملکی حالات پر مطمئن نہیں اور جب کہیں فساد ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ فتنہ پرداز مسلمانوں کی شرانگیزیوں اور فرقہ پرستیوں کا ماتم کریں حکومت کی چشم پوشیوں، پولیس کی جانب داریوں اور ایڈمنسٹریشن کی زیادتیوں کا رونا لے بیٹھتے ہیں - اردو اور مسلمانوں کے

حقوق بھی ان کی داو یلا کا خاص موضوع ہیں۔ یہ حرکتیں ان کے نزدیک فرقہ پرستی نہیں لیکن بڑے بڑے کانگریسی نیتاؤں نے صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ اس انداز میں سوچنا اور حقوق کے لئے شور مچانا فرقہ پرستی ہے لہٰذا ماننا پڑیگا کہ میاں صاحب فرقہ پرست بن چکے ہیں۔

میر صاحب اور میاں صاحب کے مابین اس پر تو کلّی اتفاق ہے کہ پنڈت نہرو کام بھی بہت کام کرتے ہیں اور باتیں بھی بہت کرتے ہیں۔ لیکن اختلاف اس میں تھا کہ ان کے قول و فعل میں مطابقت ہوتی ہے یا نہیں۔ میر صاحب کا دعویٰ تھا کہ ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے جس کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہو اسے تو عربی لغت میں منافق اور دیسی لغت میں دور نگا کہتے ہیں۔ بھلا پنڈت نہرو جیسے عظیم انسان کے لئے ایسے رسوا کن خطابات کیونکر جائز ہو سکتے ہیں۔

میاں صفدر کہتے تھے ـــ "لغت ُغت ہم نہیں جانتے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ پنڈت نہرو کتنے ہی ایسے کام کرتے ہیں جن سے ان کی خوشنما باتیں مطابقت نہیں رکھتیں اور کتنی ہی باتیں وہ ایسی کرتے ہیں جو ان کے کاموں سے مطابق نہیں ہوتیں۔"

اس کے بعد وہ مثالوں پر مثالیں پیش کرتے چلے جاتے۔ میر صاحب کو بھلا یہ فرقہ پرستانہ جرأت کیوں کر گوارا ہوتی۔ وہ خم ٹھونک کے مقابلہ پر آتے اور مدرسہ میں مختلف احادیث کی تطبیق و توفیق کا جو فن انھوں نے مدت ہوئی پڑھا تھا اسے دل کھول کر میاں صاحب کی تردید میں استعمال کر ڈالتے۔ پھر بھی بعض مثالیں ایسی ضرور رہ جاتیں جن کی تطبیق و تاویل کسی طرح بن نہ آتی تو میر صاحب تاؤ کھا جاتے۔

"دیکھیے جناب" وہ بھویں تان کر کہتے "بڑے لوگوں کی ہر بات عامیوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اتنے عظیم رہنما سے بدگمانی کرنا نہ چاہیے۔"

"بڑے آدمی کسے کہتے ہیں میر صاحب" میاں صفدر تیز کی تیز جواب دیتے "پنڈت جی بے شک بڑے وزیر ہیں۔ بڑے سیاستداں ہیں۔ بڑے لیڈر ہیں، مگر بڑے آدمی ۔۔۔۔ ہنہ۔ یہ میں نہیں مانوں گا۔"

"ماشاء اللہ" میر صاحب طنزاً ہنستے "گویا وزیر اور لیڈر آدمی ہی نہیں ہوتے۔ پھر کیا وہ فرشتے ہوتے ہیں۔"

"عقل استعمال کیجیے میر صاحب ۔۔۔ آدمیت کی بڑائی کردار پر منحصر ۔۔۔"

مگر میر صاحب ترخ کر فقرہ کاٹتے ـــ "کیا کہا ہم عقل استعمال کریں۔ آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہوا ہے ـــ واہ جی واہ ۔۔۔"

واہ جی واہ پر اکتفا وہ اس لئے کر لیتے تھے کہ میاں صفدر کا قد سات فٹ لمبا اور تقریباً دو فٹ چوڑا تھا۔ وزن شاید دو ڈھائی من رہا ہو۔ اس کے برخلاف میر صاحب کا قد جوانی ہیں بھی سوا پانچ فٹ سے آگے نہیں بڑھا، اور وزن کا تو پتا ہی نہیں کیا تھا۔ جب بھی وہ وزن تولنے کی مشین پر کھڑے ہوئے ہیں سکہ یونہی ضائع گیا ہے۔ کل پُرزوں نے حرکت ہی نہیں کی۔ میاں صفدر نے ایک مرتبہ بڑی سنجیدگی سے اطلاع دی تھی۔

"میر صاحب یہ مچھر تولنے کی مشین نہیں ہے۔"

میر صاحب جھلّا کے بولے تھے ـــ "تو ہاتھی تولنے کی بھی نہیں ہے۔ ذرا آپ تُل کر دیکھئے سالی کی ڈنڈی ٹوٹ جائیگی۔"

"ہم تو جناب ریلوے کے کانٹے پر مفت تُلتے ہیں۔"

"ڈوب مریے۔ قسم قرآن کی آپ کی لاش تو ٹرک میں جائے گی اور ہمیں تو ہمارا اللہ کا بھی گود میں اٹھا کر قبر میں رکھ آئے گا۔"

"قبر میں کیسے رکھ آئے گا۔ ارے ہاں میر صاحب صاحبزادے تو اب ماشاء اللہ دھوتی پہننے لگے ہیں۔ پہچاننے بھی نہیں جاتے۔"

"تو اس میں دانت نکالنے کی کیا بات ہے۔ قومی یکجہتی کے لئے اس طرح کے اقدامات اب بہت ضروری ہیں۔ لباس بدلنے سے ایمان نہیں بدل جاتا۔"

"نہ بدلتا ہوگا ـــ مگر کل ہی لالہ ہری پرشاد سے

ان کی جو گفتگو میں نے سنی ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو دنیا ہیں گے نہیں چبا ہی جلائیں گے۔"

"کیا بکتے ہو" میر صاحب دہاڑے "ذرا جلا کے تو دیکھے مار مار کے دُہرا کر دوں گا خبیث کو۔"

تو جسمانی تناسب کا بعد المشرقین ہی تھا جس کی وجہ سے میر صاحب نقطۂ روٹھنے پر قناعت کر لیا کرتے تھے پھر میاں صفدر کسی سعادت مند شوہر کی طرح انھیں مناتے اور دہ آدھ پاؤ امرتیاں یا چھٹانک بھر مونگ پھلیاں کھا کر مان جاتے۔ گفتگو باوجود انتہائی بے تکلفی کے آپ اور جناب ہی سے ہوتی۔ میر صاحب لکھنوی تھے۔ انھوں نے صاف کہدیا تھا:۔

"دیکھیے صفدر صاحب! اور سب کچھ میں برداشت کر سکتا ہوں مگر تانگے والوں کی طرح تم تڑاک برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم تڑاک نہیں میر صاحب محاورہ تو تڑاک ہے۔"

"بس بس یہ اصطلاحیں رہنے دیجیے۔ تم اور تو میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں۔"

ایک مرتبہ میاں صفدر کو سچ مچ غصہ آگیا تھا۔ بات یہ تھی اُس رات دونوں آخری شو میں گئے تھے۔ ایک بجے لوٹے تو مسز صفدر نے کنڈی ہی نہیں کھولی۔ میر صاحب طرارے میں آکر بولے:۔

"اجی جناب یہ آپ کی بیگم ہیں یا والدہ؟"

"دادی!ــــ چپ رہیے میر صاحب اس نے سن لیا تو دونوں کو کچا چبا جائے گی۔"

میر صاحب کا منھ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پلکیں جھپکا کر بولے:۔

"اماں آپ مرد ہیں یا ہیجڑے ــــ نہیں کھولتی ہیں تو توڑ دیجیے دروازہ۔"

"دروازے میں دس توڑ سکتا ہوں میر صاحب" میاں صفدر کا لہجہ بڑا دردناک تھا "مگر وہ بڑی غصہ ور ہے میری سات پشتوں کو جہنم پہنچا دے گی۔"

آخر کار میاں صفدر کو میر صاحب ہی کے یہاں سونا پڑا۔ صبح اٹھے تو جماعت فجر میں چند ہی منٹ باقی تھے جلدی جلدی وضو کرنے لگے مگر میر صاحب کو گاندھی جی کی تصویر سے لو لگائے دیکھا تو بھڑک اٹھے:۔

"میر صاحب جلدی وضو کیجیے۔ یہ کیا حرکت ہے؟"

"آپ مسجد چلیے۔ میں یہیں پڑھ لوں گا۔"

اس پر بات بڑھ گئی۔ میاں صفدر زاہد و متقی تو نہیں تھے، مگر عقائد میں بہت پکے تھے۔ انھوں نے اس حرکت کو شرک کہدیا۔ میر صاحب کے آگ لگ گئی۔ دونوں طرف سے الفاظ کی آتشبازی چھوٹی۔ غیض و غضب کے ایک مرحلے میں صفدر میاں بے قابو ہو کر چیخے:۔

"میر صاحب کے بچے! کیوں اپنی جان کا دشمن ہوا ہے۔ وہ ہاتھ دوں گا کہ بھرتا بن جائے گا۔"

میر صاحب کی چلتی ہوئی زبان پہ جیسے بریک لگ گیا ان پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مبہوت ہو کر منمنائے:۔

"ہائیں۔ آپ تو تڑاک پہ اُتر آئے ہیں۔ اماں شرم کیجیے۔"

"شرم ورم کچھ نہیں میرا غصہ بہت خراب ہے۔"

"جائیے جائیے بیگم صاحبہ سے تو جان نکلتی ہے۔ ہم پہ رنگ جمانے چلے ہیں۔"

صفدر میاں کی جیسے پھونک نکل گئی۔ غصے کا تناؤ بہت کی افتادگی میں بدل گیا۔ وہ جلدی میں بس ایک ہی پیر دھو کر مسجد چلے گئے۔ میر صاحب تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر بڑبڑائے

"اے اللہ! اگلے جنم میں میر صاحب کو دبلا پتلا بنانا اور مجھے ذرا مضبوط بنا دینا۔ پھر ذرا ان کی مزاج پرسی کروں گا۔"

یہ خانگی قسم کے جھگڑے ان میں بہت دنوں سے جاری تھے۔ احساس کچھ کچھ میر صاحب کو بھی ہو چلا تھا کہ پنڈت نہرو کے بارے میں میاں صفدر کی باتیں قابلِ لحاظ ضرور ہیں۔ قول و فعل کے بعض تضادات ایسے تھے جن کی کوئی توجیہ میر صاحب سے ہو ہی نہیں پا رہی تھی۔

چند روز ہوئے ان میں پھر تیز م تازی ہو گئی۔ میر صاحب کا چوبارہ پاس ہی تھا۔ آوازیں سن کر ملا جی مجھ سے بولیں:۔

"ذرا جاکر تو دیکھئے۔آج پھر وہ لڑ رہے ہیں"

"لڑ تو نہیں رہے ہیں" میں نے اُلجھ کر کہا "میر صاحب کا جی امرتیاں کھانے کو چاہ رہا ہوگا"

"کیا خبر، کہیں سچ مچ لڑائی ہوگئی تو بیچارے میر صاحب زندہ نہیں بچیں گے"

دراصل میر صاحب ملاجی کی دوست تھیں۔ قلم جنگ کے مجھے جانا پڑا۔ جاتے جاتے ایک لاٹھی بھی میں نے اُٹھالی۔ وہ دونوں چائے پیتے پیتے بحث کے موڈ میں آگئے تھے۔ چائے کے برتن سامنے تھے۔ پیالیاں انگلیوں میں پکڑے وہ زور زور سے جواب سوال کر رہے تھے:۔

"دیکھئے صاحبان" میں نے کھنکار کر عرض کیا "یہ روز روز خالی پھیکی لڑائی مزہ نہیں دیتی۔ لیجئے میں لاٹھی لے آیا ہوں۔ کسی نہ کسی کے ہاتھ پیر ضرور ٹوٹنے چاہئیں"

دونوں جھینپ کر ہنس دیئے۔ پھر مجھے بھی شریک چائے کر لیا گیا۔ چائے کے دوران میں انھوں نے اپنے اپنے موقف سے مجھے آگاہ کیا اور فیصلے کی خواہش کرنے لگے:۔

"آپ لوگ خواہ مخواہ بحثتے ہیں حالانکہ خود پنڈت نہرو اس بحث کا فیصلہ دے چکے ہیں" میں نے کہا:۔

"کیا؟" دونوں چونکے۔

"خود مجھے بھی ان کے قول و فعل کی تطبیق میں دقت پیش آرہی تھی مگر اب مسئلہ حل ہوگیا ہے"

ان کی سوالیہ نظریں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں میں نے پیالی ہونٹوں سے لگاکر لمبی سی چسکی لی۔ میر صاحب جھنجلا گئے

"اماں کچھ کہیں گے بھی؟"

"چائے پھیکی ہے میر صاحب۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ شکر لیجئے۔ ہاں تو کیا فیصلہ دیا ہے پنڈت جی نے؟"

"آپ اخبار نہیں پڑھتے کیا؟"

"اماں پڑھتے ہیں۔ آپ اپنی بات بتایئے"

"یہ کیا بتائیں گے" میاں صفدر نے ٹوکا "اخبار میں تو روز ہی فیصلہ کن خبریں آتی ہیں۔ آپ کی مت ہی اُلٹ گئی ہو تو اس کا کیا علاج"

"پھر وہی" میر صاحب بھپکے "آپ دائرۂ تہذیب میں نہیں رہیں گے تو۔۔۔ تو۔۔۔"

"ہاں تو کیا؟" میاں صفدر نے غرا کے پوچھا:۔

"ارے صاحب لڑ پھر لیجئے گا" میں نے تلقین کی "میں جو خبر سنانے والا ہوں اس کے بعد آپ کا اختلاف شاید ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا"

"اماں تو سناتے بھی تو" میر صاحب جھلائے۔

"کیا آپ نے نہیں پڑھا کہ ابھی ایکٹروں کی ایک محفل میں پنڈت نہرو نے کیا کہا ہے؟"

"جی نہیں۔ کیا کہا ہے؟"۔

"انھوں نے کہا ہے کہ دوستو میں بھی آپ ہی کی طرح ایک ایکٹر ہوں"

"ایکٹر۔۔۔ سچ؟ نہیں" میر صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور ایک گیا۔

"بالکل سچ۔ انھوں نے یہی اعتراف کیا ہے"

میاں صفدر نے بلند قہقہہ لگایا پھر فاتحانہ انداز میں میر صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے:۔

"کیوں قبلہ۔ اب تو ہوگئی تسلی!"

"اماں آپ چپ رہئے ۔۔۔ ہاں تو ملا صاحب کیا واقعی انھوں نے کہا ہے کہ میں ایکٹر ہوں"

"یقیناً کہا ہے۔ اور شاید اسی لئے کہا ہے کہ جن لوگوں کو ان کے بعض اقوال و اعمال میں اختلاف محسوس ہو رہا ہے ان کی مشکل حل ہو جائے۔ آپ جانتے ہی ہیں ایکٹر کی اداکاری اس کے ذاتی خیالات و عزائم اور عقائد و تصورات سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ وہ تو لگی بندھی کہانی کے پیچھے چلتا ہے۔ وہ تو روئے یا ہنسے گائے یا بجائے۔ یہ سب محض دکھاوا ہے۔ اس کے ذاتی فعل و عمل اور اسٹیج کی اداکاری میں مطابقت ڈھونڈنا نابالغ بچوں کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا"

میر صاحب بہت مضطرب تھے۔ شاید ان کے دل و دماغ

ہیں منطق کا لاوا اُبل رہا تھا۔ بات منقح ہو چکی تھی مگر وہ ڈوبتے ڈوبتے تنکے کا سہارا لینے سے نہیں چوکے۔

"تو کیا آپ کا مطلب یہ ہوا کہ فسادات پر اظہارِ رنج و غم کرنا اور اُردو وغیرہ کے حق میں تقریریں فرمانا سب محض دکھاوا ہے۔ ان کا دل ظلم و ستم سے رنجیدہ نہیں ہوتا؟"

"یہ میں نے کب کہا؟ اچھے اداکار کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے جو بھی پارٹ ادا کرنا ہوتا ہے اسے اپنے اوپر اس طرح طاری کر لیتا ہے کہ اس کا شعور، اس کی قوتِ ارادی اس کی نیت سب کچھ اسی پارٹ کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے اس احساس کو بالکل فنا کر دیتا ہے کہ وہ جو کچھ اسٹیج پر کہہ اور کر رہا ہے وہ محض ایک ڈھونگ، ایک مفروضہ ہے جس کا اس کے حقیقی خیالات و عزائم سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے کراؤن فیلڈ کا واقعہ نہیں سنا؟"

"کون کراؤن فیلڈ؟" میر صاحب نے بُرا سا منھ بنایا۔

"[redacted] فلم کمپنی کا شہرۂ آفاق اداکار۔ اسے ایک فلم میں یہ پارٹ دیا گیا تھا کہ اسٹوری کے ایک کیرکٹر کی حیثیت میں وہ اُس خطرناک کتے کو اپنے ہاتھوں اور دانتوں سے جہنم رسید کرے گا جس نے اس کی محبوبہ کے کاٹ کھایا ہے اور غریب محبوبہ کتیوں کی طرح بھونکتی پھر رہی ہے۔ ڈائرکٹر نے فیلڈ کو ہدایت دی تھی کہ وہ صرف اپنے ہونٹ کتے کے جسم پر اس طرح پیوست کرے کہ کاٹنے کا منظر پیدا ہو سکے۔ لیکن جب شوٹنگ چالو ہوئی اور اس کی محبوبہ نے کتیوں کی طرح بھونکنا شروع کر دیا تو فیلڈ سچ مچ پورے جوش و خروش کے ساتھ کتے پر ٹوٹ پڑا اور پھر جو اُس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا مُنھ قبضہ کر کے دانتوں سے بُکّے مارنے شروع کئے ہیں تو اس کے جبڑے تازہ لہو سے بھر گئے اور کتّے کے بدن میں زخم ہی زخم نظر آنے لگے۔ ڈائرکٹر اچھل پڑا۔ کیمرہ مین بھی مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے۔ وہ اداکارہ بھی جو محبوبہ کا رول ادا کر رہی تھی بھونکنا بھول کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے فلمی عاشق کی حیرتناک اداکاری کو دیکھتی رہ گئی۔ بیچارے کتے کی تکا بوٹی ہو گئی تھی۔ فیلڈ اس کی لاش کے چیتھڑوں پر کھڑا اس مزے سے مُنھ چلا رہا تھا جیسے کوئی درندہ مزیدار شکار نوشِ جان کر رہا ہو۔ اس منظر پر فیلڈ کو ایک لاکھ پاؤنڈ انعام ملا۔ مگر وہ بیچارہ کتوں کے ہسپتال میں پڑا بھونکنے کا ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔"

"خدا جانے کہاں کی باتیں کرتے ہیں آپ" میر صاحب بدبدائے "یہ فرنگی قصے کچھ سند نہیں۔ آپ یہ بتائیے کیا پنڈت نہرو فرقہ پرستی کے سچے دشمن نہیں ہیں؟"

"بالکل ہیں" میں نے کہا "لیکن ان کی دشمنی کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ وہ ایک شریف اور نرم دل انسان ہیں اس لئے قتل و غارت کی خبریں اور مسلمان دشمنی کے ننگے مناظر ان کے جذبات کو اسی شدت سے مرتعش کر دیتے ہیں جس طرح ہوا کا ایک تند جھونکا نازک شاخوں کو تھرا دیتا ہے۔ اس عالم میں وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ منافقت پر مبنی نہیں ہوتا، بلکہ ان کی دلی خواہشات کے عین مطابق ہوتا ہے۔ لیکن جذبات کا جوار بھاٹا اُتر جانے کے بعد وہ پھر اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ انھیں خدا اور آخرت پر یقین نہیں اس لئے پوری طرح مطمئن ہیں کہ ان کے سایۂ اقتدار میں جو کچھ بھی گذر جائے اس کا حساب انھیں کہیں نہیں دینا ہے ان سے کبھی کوئی نہیں پوچھے گا کہ تمھیں جو عظمت جو قوت جو شوکت دی گئی تھی اس کے باوجود تمہاری مملکت میں ظلم و طغیان کی فصلِ بہار کیوں لہلہاتی رہی۔"

"خیر خیر یہ فضول کی منطق بازی آپ رہنے دیں" میر صاحب اُکتا کر بولے "بس اتنا ہی کافی ہے کہ پنڈت جی نے اپنے آپ کو ایکٹر کہا ہے۔"

"کافی ہے نا؟" میاں صفدر چہکے۔

"آپ کیوں خوش ہوئے" میر صاحب غرائے

"یہ دلیل تو ہمارے لئے مفید ہوئی ہے۔ اب آپ کا یہ رونا تو ختم ہو گیا کہ پنڈت جی کے بعض اقوال و اعمال میں تطابق نہیں ہے۔"

"تم کہاں ہو گیا" میاں صفدر نے کہا "اس سے تو بالکل ہی ثابت ہو گیا کہ دو رنگی ڈنکے کی چوٹ موجود ہے۔"

"کیسی دورنگی؟" میر صاحب نے آنکھیں نکالیں "جب پنڈت جی نے خود اپنے آپ کو ایکٹر کہہ دیا تو ایکٹر کی اداکاری اور حقیقی زندگی میں یک رنگی کون احمق ڈھونڈتا ہے۔ بس آئندہ سے آپ اس موضوع پر مجھ سے کلام نہ کیجیے گا۔"

صفدر میاں کے ہونٹ ہلے مگر کچھ کہہ نہ سکے وہ میر صاحب کی منطق سے لاجواب سے ہو گئے تھے۔ بالآخر تمت بالخیر کے طور پر کہا:-

"خیر کلام نہیں کریں گے مگر اب تو آپ ووٹ کانگریس کو نہیں دیں گے؟"

"کیوں نہیں دیں گے۔ اور کیا تمھیں دیں گے۔"

"میرا خیال ہے کسی کو بھی نہ دیجیے" میں نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"اجی جائیے بڑے آئے کسی کو بھی نہ دیجیے۔ پنڈت نہرو جب تک زندہ ہیں ہمارا ووٹ کانگریس ہی کو جائے گا۔"

"اور اگر خود آپ ہی پہلے مر گئے!" صفدر میاں نے چھوکا دیا۔

"مریں آپ" میر صاحب نے تیکھے لہجے میں کہا "قسم قرآن کی موٹے آدمی بہت جلدی مرتے ہیں۔"

"قرآن کی نہیں، گاندھی جی کی قسم کھائیے" صفدر میاں نے فرمائش کی۔

"کیوں کھائیں۔ بے فکر رہیے اگر ہم مر بھی گئے تو خدا کی قسم وصیت کر کے مریں گے کہ ہمارا ووٹ کانگریس ہی کو دیا جائے۔"

اب میں اُٹھ آیا۔ وہ دن سو آج کا دن دونوں دوستوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا ہے۔ جب بھی صفدر میاں پنڈت جی کے کسی قول فعل کا کوئی جھگڑا لے کے بیٹھتے ہیں میر صاحب آنکھیں پھڑکا کر کہتے ہیں:-

"فضول بکواس۔ وہ تو پہلے ہی کہہ چکے ہیں ایکٹر ہوں!"

صفدر میاں کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس برہان قاطع کے بعد کیا کہیں۔

(ملا زندہ صحبت باقی)

نقد و تبصرہ

(تبصرے کیلئے کتاب کے ۲ دو نسخے آنے ضروری ہیں)

کھرے کھوٹے

یزدان و اہرمن

نتیجۂ فکر:- جناب کمال اختر واحدی ● ملنے کا پتہ محمد اختر حسین خاں - سابق چیرمین میونسپل بورڈ - بھدوہی ضلع بنارس ● لکھائی چھپائی غنیمت - کاغذ سفید - صفحات ۳۲ - قیمت ۳۸ نئے پیسے -

یہ ڈاکٹر اقبال کے شہرۂ آفاق "شکوے" کی بحر اور اسلوب میں ایک مسدس ہے جس کے تیور بھی شکوے ہی جیسے ہیں - اس میں شیطان نے بارگاہ خداوندی میں گل افشانیاں کی ہیں - شاعر کا مقصود اس سے "حق پرستی" کے ان مراحل و منازل کا اجمالی خاکہ پیش کرنا ہے جن سے دعوت حق اور خدا پرستی آغاز عالم سے اب تک گذرتی رہی ہے -

اگر صوری و معنوی محاسن کے اعتبار سے کمال صاحب کی اس شاعرانہ کوشش اور کلام اقبال کے درمیان پندرہ اور بیس کی بھی نسبت ہوتی تو ہم اسے ضرور سراہتے لیکن افسوس ہے کہ یہ کوشش فنی لطافتوں اور زبان و بیان کی خوبیوں سے تہی دامن ہے - اس میں ایسے موٹے موٹے عیوب پائے جاتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے شعری محاسن اور فنی لطائف کی گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا -

وقت کے موڑ پہ انداز شر انگیز کیا　(صث)
امن عالم کی فضا جرموں سے لبریز کیا

پہلا مصرعہ عجز کلام کا بھدا نمونہ ہے - دوسرے مصرعے میں "فضا لبریز کیا" کہہ کر شاعر نے لٹیا ہی ڈبو دی ہے - "فضا" کو مذکر کوئی بنگالی یا پوربی ہی بولے تو بولے -

تیرے ارشاد پہ مرنے کی تمنا دیکھا　　جس کو کہنے پہ ہو کانوں جو ٹیلے دیکھا
صلا

پہلے مصرعہ میں وہی عیب ہے - یعنی ردیف کی خاطر "تمنا" کو مذکر نظم کیا گیا ہے - دوسرے مصرعہ میں روانی و شگفتگی کے فقدان کے علاوہ یہ کھلی خامی ہے کہ دعوے کے ترک یا شکست کو "دعویٰ بہکنے" سے تعبیر کیا گیا ہے -

لب پہ سجدے ہیں تو عرفان کی آیات لئے
اور اٹھ جاتیں جو سجدے سے مساوات لئے

"آیات" جمع ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کمال صاحب ضرورت شعری کے تحت مؤنث کو مذکر اور جمع کو واحد استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے - دوسرا مصرعہ معنوی اعتبار سے مہمل ہے

فرش پر ایک نئے دور کا ایجاد کیا　　ص۲۲

یہ کہاں کی زبان ہے ؟

صبحدم سو گیا منزل کا نہ جادہ کا ہوا
اپنے اعمال کے پرہول اندھیرا کا ہوا

فاش اور مضحکہ خیز غلطیوں پر مشتمل اس طرح کے اشعار جس کے قلم سے نکل سکتے ہوں اسے شاعری کی بجائے کوئی اور مفید کام کرنا چاہئے -

یہ نہ سمجھئے کہ یہاں کتابت کی گڑبڑ ہو گئی ہوگی اور شعر دراصل یوں ہوگا -

صبحدم سو گیا منزل کا نہ جادے کا ہوا
اپنے اعمال کے پرہول اندھیرے کا ہوا

جی نہیں - یہ "شکوے" جیسی مسدس ہے جس کے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں - ان دونوں مصرعوں کے ہم قافیہ مصرعے یہ ہیں :-

یہ کلیسا کا ہوا اور نہ کعبہ کا ہوا　+　اسکو دنیا نہ ملی اور نہ عقبیٰ کا ہوا

اگر کہیے - جادے - اور " اندھیرے " پڑھیں گے تو پھر " غضبے " بھی پڑھنا ہوگا ! -

رہبرِ قوم کی اللہ رے کیسی ہے نظر
ایسی جلاد حکومت کا ہے حامی بن کر　　ص۲۳

یقین نہیں آتا کہ اس طرح کے اشعار کہنے والے محترم شاعر کی مادری زبان " اردو " ہی ہے -

پھر بھی یہ حکم کہ میں خاک کے پتلے پہ جھکوں　　ص۲۴

یہ شیطان اُس سجدے کا ذکر کر رہا ہے جس کا حکم اسے حضرت آدمؑ کے لئے دیا گیا تھا - شاعر کو نہیں معلوم کہ " کسی کے آگے جھکنا " تو سجدے کی تعبیر کے لئے بولا جا سکتا ہے لیکن " کسی پہ جھکنا " سجدے کا مفہوم نہیں دیتا -

تیری مرضی کی ہر اک گام پہ تخریب کروں　　ص۸

تخریب تعمیر کے مقابلہ میں آتا ہے - " مرضی کی تخریب " روزمرہ کے خلاف ہے -

ایک انساں سے بھیر یہ یہ آزار ہوا
بات بنتی نہیں انگارہ جو گلزار ہوا

یہ شاعری نہیں شاعری کا تمسخر ہے - آتشکدۂ نمرود کو " انگارہ " کہنا ایسا کمال ہے جس کی کمال صاحب کے سوا کسی شاعر سے مشکل ہی توقع ہو سکتی ہے -

تجھ سے بازی بھی مری اس کو وفا کرنا تھا　　ص۱۰

وعدہ وفا کرنا تو سُنا تھا مگر " بازی وفا کرنا " آج ہی سُنا — اور یہ " بازی " بھی کونسی ہے - وہ جسے غیر علمی زبانیں " بازی بدنا " کہا جاتا ہے - یعنی شرط بدنا — لاگ — مقابلہ -

آج الم ساز اصولوں کا بھی پابند ہے یہ　　ص۱۲

" الم ساز اصول " کی جدّت کسی ترقی پسند کو بھی مشکل ہی سے سوجھے گی -

آتا ہے وقت برائیوں کو سُلا دیتا ہے
میری بخشی ہوئی بے کیف دوا دیتا ہے　　ص۲۵

یہ ابلیس صاحب " واعظ " کے بارے میں کہہ رہے ہیں — سخت حیرت ہے شاعر کے حلقۂ تعلق میں کوئی خدا کا بندہ ایسا با مذاق نہیں ہے جو انھیں اتنا تو بتا دے کہ شاعری محض تُک بندی اور قافیہ پیمائی کا نام نہیں - جو نظم اس علم و فہم کی مظہر ہو اس پر حسنِ بیان ، لطائفِ شعری ، رموزِ فن اور جمال و رعنائی کے پہلوؤں سے کیا گفتگو ہو سکتی ہے -

خیر سے شاعر صاحب نے بعض اشعار پر کچھ نوٹ بھی دیئے ہیں جن میں سے بعض عجیب و غریب ہیں - رہبرِ قوم کے بارے میں ارشاد ہوا ہے :-

اس کی قرآن کی تاویل کی بدعت نہ گئی　　ص۲۴

اسے چھوڑ دیئے کہ بے در بے " میں " کی " نے حسنِ بیان سے کیا سلوک کیا ہے - اسے بھی چھوڑ دیئے کہ لفظ " بدعت " کا استعمال برمحل ہوا ہے یا بے محل - دیدنی وہ نوٹ ہے جو اس مصرع پر دیا گیا ہے :-

" علمائے دین نے سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ اپنی اور عام مسلمانوں کی جماعتی بدعملی کو کلام اللہ کی تاویل میں چھپا لیا اور اسلام کو مذہب برائے مسجد بنا چھوڑا " ص۲۵ -

فرمائیے کیا سمجھے ؟

واعظ کے بارے میں ارشاد ہے -

دیکھ لے اس کے سیہ کار بیانوں کا اثر
درسِ فطرت کے عمل پر نہیں راضی دم بھر　　ص۲۵

اسے چھوڑ دیئے کہ " سیہ کار بیان " بھی کوئی چیز ہے اور بیچارگیٔ اظہار کو بھی الگ رکھئے دیکھنے کے قابل اس شعر کا نوٹ ہے :-

" یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مسلمان سائنسی ترقی صرف اس لئے نہ کر سکے کہ ان کا سوچنا اس کے (یعنی واعظ کے - تبصرہ نگار) خیال میں بغاوت کرنا ہے "

خدا ہی جانے شاعر کس دنیا کے باشی ہیں — جس دنیا میں ہم ہیں وہاں تو کسی مستند عالم و واعظ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ فکر و تجسّس اور سائنسی تگ و دو اسلام سے بغاوت کے ہم معنی ہے -

ایک اور نوٹ ملاحظہ ہو :-

"مطالعہ کیجئے تاریخ اسلام اور درسیاتِ اسلام
آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام میں غریبی
کے خاتمے کی بنیاد سرمایہ داری کے خاتمے پر رکھی
گئی ہے کہ نہیں" ص ۲۶

اس سے کم سے کم عوام کالانعام کو تو یقین کرنا ہی پڑیگا کہ خود حاشیہ نگار و شاعر تمام تاریخ اسلام اور درسیاتِ اسلام کا مطالعہ فرما چکے ہیں ـــــ اب ہم کیا کہیں کیا نہ کہیں۔ صرف ازراہ اخلاص یہ عرض کر کے تبصرہ ختم کئے دیتے ہیں کہ اے شاعر محترم! آپ کو یقیناً غلط قسم کا حلقۂ احباب ملا ہوا ہے جس کی واہ واہ آپ کی بصیرت اور خود آگاہی کے لئے حجاب بن گئی ہے۔ تحسین ناشناس چیز ہی ایسی ہے کہ اس نے نہ جانے کتنے اُبھرتے ہوئے نونہالوں کی صلاحیت نمو پر بجلیاں گرائی ہیں۔ کاش آپ اشاعت سے پہلے اپنی مسدس کسی سخن فہم کو دکھلا لیتے تو کم سے کم فاش غلطیاں تو نکل ہی جاتیں۔ گذشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط ـــــ احتیاط میں اس نصیحت کو بھی شامل کر لیجئے کہ آدمی کو اپنا مقام سمجھ کر گفتگو کرنی چاہئے علمائے دین کے بارے میں کوئی دو ٹوک فیصلہ دینا اس سطح کا مسئلہ نہیں ہے جس پر آپ ہیں۔

زجاجۃ المصابیح

اس رفیع الشان کتاب کے بعض حصوں پر ان صفحات میں پہلے بھی تبصرہ ہو چکا ہے۔ اس وقت اس کا پانچواں جزء پیش نظر ہے جس پر یہ مکمل ہو گئی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ اس کے جامع مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی طرف سے تبریک و تحسین کے مستحق ہیں۔ سوادِ اعظم کا حنفی ہونا محتاج بیان نہیں۔ مشکوٰۃ اپنے طرز کی عمدہ کتاب ہے لیکن اس کے جامع شیخ ولی الدین خطیب تبریزی شافع المسلک تھے اور قدرتی طور پر انھوں نے اس میں اپنے مسلک کی رعایت کی ہے۔ ضرورت تھی کہ اسی نوع کی کوئی کتاب حنفی مسلک کا لحاظ رکھتے ہوئے مدوّن کی جائے۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ یہ ضرورت زجاجۃ المصابیح نے کافی حد تک پوری کر دی ہے۔ اب یہ حنفی مدارس کے اربابِ انتظام کا کام ہے کہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور نصاب کا جزء بنائیں۔ اس میں حضرت جامع نے بڑی عرق ریزی اور کاوش کی ہے۔ جو اعتراضات فقہ حنفی پر مختلف حلقوں سے کئے جاتے رہے ہیں انھیں دفع کرنے میں موصوف کی مساعی کافی وزن دار ہیں۔ فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ اقوال کی تلاش کے بعد انھوں نے ان کی توثیق کرنے والی احادیث بھی زیب قرطاس فرمائی ہیں اور احناف کے سر سے اس لغو الزام کو اتارا ہے کہ ان کی فقہ محض رائے پر مبنی ہے احادیث پر مبنی نہیں۔

اسے زمانے کی ستم ظریفی ہی کہئے کہ امام ابو حنیفہؒ کا جو وصف ان کے عبقری ہونے کی دلیل تھا اور جس کے مایۂ فخر و ناز ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں اسی کو بعض لوگوں نے ان کے لئے مستقل طعنہ اور الزام بنا دیا۔ تفقہ فی الدین تو

دُرِّ نجف منجن ● ایک تولہ پانچ روپے ● چھ ماشہ تین روپے ● ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ ● تین شیشی یکجا منگانے پر ڈاک خرچ معاف ● مزید تفصیلات ٹائٹل کے کسی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے

جوہر دندان دانتوں اور مسوڑھوں کیلئے ایک مفید منجن ● دانتوں، داڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور درد کے لئے نافع ہے۔ اس کا مستقل استعمال دانتوں کے امراض کو انشاء اللہ پاس نہیں پھٹکنے دیگا ● ذائقہ اچھا نہیں کسیلا ہے۔ ذائقے کے شائقین اسے نہ ملیں ● چار تولے کا پیکٹ ۶۲ نئے پیسے۔ دس تولے کا پیکٹ ایک روپیہ ۳ نئے پیسے۔ (ڈاک خرچ ہر پیکٹ پر ڈیڑھ روپیہ لگتا ہے لیکن دو تین پر بھی اتنا ہی لگتا ہے اور شرے کیسا تھ منگائیں تو دونوں چیزیں اسی ڈاک خرچ میں چلی آتی ہیں)

پتہ :- **دار الفیض رحمانی** دیوبند یو۔پی

اور اعمالِ نظر کا نام "رائے" رکھا اور "اہل الرائے" کہکر یہ تاثر دیا کہ ابو حنیفہؒ کا تفقہ قرآن و سنت کے محور پر نہیں رائے اور قیاس کے محور پر گھومتا ہے۔ تخفیف و تنقیص کے اس المناک کارنامے میں جب امام بخاری جیسے جلیل القدر حضرات بھی شامل ہوجائیں تو پروپیگنڈے کا دو آتشہ ہوجانا فطری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احناف کے لئے اہل الرائے کا خطاب بالکل غلط معنیٰ میں شہرت پاگیا اور وہی فقہ جو اپنے مصادر و مبانی کے اعتبار سے قرآن و سنت سے سب سے زیادہ قریب تھی اور جس کی جڑیں دین و شریعت کی روح میں دُور تک اُتری ہوئی تھیں بعض حلقوں میں ایسی فقہ سمجھی جانے لگی جس کا سرچشمہ بجائے قرآن و سنت کے قیاس و رائے جیسے غیر مقدس مآخذ ہوں۔

الحمد للہ کہ بالغ نظر احناف وقتاً فوقتاً اس باطل سوءِ ظن کا پول کھولتے رہے ہیں۔ لیکن یہ سوءِ ظن مرا نہیں بلکہ آئے دن نئے نئے افراد و گروہ اس میں صور پھونکتے رہتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ احناف بھی غافل نہ ہوں اور متانت و تحمل کے ساتھ اپنے مسلک و موقف کی اشاعت کرتے رہیں۔

حق تبصرہ تو زجاجۃ المصابیح کا اہلِ علم ہی ادا کرسکتے ہیں۔ ہماری کیا حقیقت۔ ہاں بطور ایک طالب علم کے یہ ضرور کہیں گے کہ جن جن مقامات کے مطالعہ کی ہمیں توفیق مل سکی انھیں وقیع اور بصیرت افروز پایا۔ اگرچہ یہ تاثر بھی کہیں کہیں ضرور پیدا ہوا ہے کہ حنفی مسالک کی تصویب و تائید میں سید صاحب نے جتنا کچھ سپردِ قلم کیا ہے وہ وزندار ہونے کے باوجود سیر حاصل نہیں۔ اس سے کچھ زیادہ کہنا ممکن تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت زیادہ طوالت مناسب نہ ہوتی۔ مصلحت اسی کی متقاضی تھی کہ ضخامت کو غیر معمولی نہ ہونے دیا جائے۔

مسرت کی بات یہ ہے کہ کتاب کی طباعت وکتابت بھی نہایت پاکیزہ ہوئی ہے اور کاغذ عمدہ ہے۔ بس سائز زیادہ نہیں جچا۔ یہ آخری جلد ۵۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مطبوعہ ہدیہ چھ روپے ہے۔ لیکن خط میں اطلاع دی گئی ہے کہ صحیح قیمت آٹھ روپے ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب۔ محلہ حسینی علم۔ جوبلی پوسٹ آفس ۱۲۔ حیدر آباد دکن۔

اتنا بڑا کام تو سید صاحب نے خوش اسلوبی سے انجام دے لیا۔ ہم تمنا کریں گے کہ وہ مشکوٰۃ کے تتمے ——— "الاکمال فی اسماء الرجال" کا بھی بدل تیار فرمائیں بدل اس معنیٰ میں کہ ائمہ متبوعین کا تذکرہ صاحب مشکوٰۃ نے جس نہج و اسلوب میں کیا ہے وہ حنفیت کے لئے مضرت سے خالی نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کا بہتر اور تحقیقی بدل پیش کیا جائے۔ صاحب مشکوٰۃ سے ہمیں کوئی تعصب نہیں۔ تعصب ہوتا تو ان کی کتاب احناف کے مدارس میں داخلِ نصاب ہی کیوں ہوتی لیکن ان کی جلالتِ شان ہمیں یہ کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی کہ ائمہ کے تذکرے میں وہ بے کم و کاست انصاف نہیں کرسکے ہیں۔ وجہ چاہے وہ لطیف ذہنی تعصب ہو جو آدمی کے علم و فہم کو خواہی نہ خواہی ایک خاص رُخ پر دھکیل دیتا ہے یا پھر عدم تحقیق کے باعث ان سے چوک ہوئی ہو، بہر حال ان کی اکمال ایسی ضرور ہے کہ بعض ائمہ کا صحیح مقام و مرتبہ اس میں الٹ پلٹ گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے بارے میں تو ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ بقول ان کے وہ دنیا بھر کے امام اور مشرق و مغرب کے تمام لوگوں میں سب سے بڑے عالم دین اور ایسے علوم و فضائل کی کثیر مقدار کے حامل ہیں جو نہ ان سے قبل کسی امام کو نصیب ہوئے نہ ان کے بعد۔ لیکن وہ ابو حنیفہؒ جن کے شاگرد بھی امام شافعیؒ کے ممدوح اور شیخ و استاد ہیں اور جن کے اوصاف و امتیازات پوری امت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ان کا تذکرہ اسلوبِ بیان اور کمیت دونوں کے اعتبار سے اس نوع کا ہے کہ ان کی حقیقی منزلت کا کما حقہٗ احساس اس سے پیدا نہیں ہوتا۔ خدا جانے کیوں وہ امام شافعیؒ کے اساتذہ میں امام محمدؒ کا تذکرہ نہیں کرتے! کیا اس لئے

کہ امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اور ابوحنیفہؒ کے شاگرد کا شاگرد ہونا ان کے نزدیک امام شافعی کے خلافِ شان ہے۔ لیکن وہ لوگ ان کے صرفِ نظر کی تحسین کیسے کرینگے جو تذکار رجال کی بنیادی کتب میں جگہ جگہ دیکھ رہے ہیں کہ امام محمدؒ کو تو امام شافعیؒ خود ہی شیخ و استاد کہتے رہے ہیں اور بلا کسی ابہام کے انھوں نے امام محمد سے اپنے استفادے کا اعتراف کیا ہے۔

صاحبِ مشکوٰۃ امام ابوحنیفہؒ کو تابعی بھی نہیں مانتے حالانکہ ان حافظ ابن حجرؒ تک نے — جو شافعی المسلک ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے دوست بھی نہیں — اپنے فتاویٰ میں ابوحنیفہؒ کا تابعی ہونا تسلیم کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ وہ شرف و علو ہے جو ان کے ہم عصر ائمہ میں سے کسی کے بھی حصہ میں نہیں آیا حتیٰ کہ سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ جیسے رفیع الشان حضرات بھی اس سے محروم ہیں۔ پھر تہذیب التہذیب میں تو وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نام کی بھی تصریح کرتے ہیں جنھیں امام صاحبؒ نے دیکھا ہے۔

جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے اس کے نزدیک تو نہ صرف رویت بلکہ صحابی سے روایت بھی امام صاحب کی ثابت ہے لیکن یہ خیال بحث طلب سمجھا جائے تو کم سے کم رویت کی تردید تو صاحبِ مشکوٰۃ کو ایسے دو ٹوک انداز میں نہیں کرنی چاہئے تھی جیسے یہ مسلّمات میں سے ہے۔

شاید علمائے سابق کی ایسی ہی غیر ذمہ داریوں کا ثمرہ ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی طاب اللہ ثراہ جیسے محقق بھی نہ جانے کس رو میں امام ابوحنیفہؒ کو تابعین سے خارج کر گئے ہیں حالانکہ ان کے استاد مولانا شبلیؒ ابوحنیفہؒ کی تابعیت کے مؤید ہیں۔

صاحبِ مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں امام ابوحنیفہؒ کی کوئی روایت نہ ہوتے ہوئے بھی ان کا تذکرہ اکمال میں اس لئے شامل کیا کہ یہ برکت کا موجب ہوگا یہ ان کے حسنِ نیت اور سلامتیٔ طبع کا ثبوت ہے لیکن ابوحنیفہؒ کے بارے میں کامل تحقیق نہ ہونے کے باعث ان سے ایسی لغزشیں بھی ہوئی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں۔ ابوحنیفہؒ سے پہلے انھوں نے امام مالکؒ کا تذکرہ لکھا اور تقدم کی وجہ یہ بتائی کہ امام مالک اپنی واقفیت، علم، مرتبے اور زمانے کے اعتبار سے مقدم ہیں۔

کیا لطیفہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا امام مالکؒ سے پہلے پیدا ہونا تاریخی مسلّمات میں سے ہے۔ یوں تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے ۸۰ھ سے پہلے پیدا ہونے کی روایتیں غیر ثقہ ہیں لیکن ۸۰ھ کے انکار کی تو کوئی صورت نہیں۔ اور امام مالکؒ کی پیدائش بقول ابن خلکان ۹۵ھ ہے۔ بقول یافعی ۹۴ھ ہے بقول ذہبی ۹۳ھ۔ چلئے ۹۳ھ ہی مانئے پھر بھی ابوحنیفہؒ ان سے ۱۳ سال مقدم ہو جاتے ہیں۔ پھر انتقال بھی ابوحنیفہؒ نے امام مالکؒ سے بہت پہلے فرمایا ہے۔ مگر صاحبِ مشکوٰۃ کے نزدیک نہ جانے کس معنی میں تقدم زمانی بھی امام مالک ہی کو حاصل رہا!

مرتبے کا جہاں تک تعلق ہے اس کا حتمی فیصلہ تو بہت مشکل ہے لیکن انسان تو ظاہر کا مکلف ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کو کوئی تابعی نہ مانے تب بھی یہ تو اسے ملحوظ رکھنا ہی چاہئے کہ ان کا تابعی ہونا متفق علیہ بات نہیں ہے جب کہ امام مالکؒ بالاتفاق غیر تابعی ہیں۔ صحابی کے مرتبے کو تابعی نہیں پہنچ سکتا تو کسی غیر تابعی کو بھی اس شخص سے عظیم المرتبہ کہنے میں احتیاط برتنی چاہئے جس کا تابعی ہونا ممکن ہو۔

علاوہ ازیں امام مالکؒ اصطلاحِ محدثین کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں اور ابوحنیفہؒ ان کے استاد و شیخ۔ یہ بات صرف ہم ہی نہیں کہتے۔ ابن حجر مکیؒ نے بھی — جو شافعی ہیں — اس کی تصدیق کی ہے۔ نیز امام مالکؒ کے متعدد اقوال بھی اس کی تائید ہیں کہ وہ ابوحنیفہؒ کو بہت عظیم سمجھتے تھے۔ یہ مشہور قول تو صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی نقل کیا ہے کہ:-

"ابوحنیفہؒ ایک ایسے فقیہ ہیں جو اگر اس ستون کو کہہ دیں کہ سونے کا ہے تو مضبوط دلیل سے اسے ثابت کر کے چھوڑیں گے۔"

یہ بات تو کتبِ رجال میں جگہ جگہ ملتی ہے کہ امام مالکؒ اکثر ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کرتے تھے اور ان کے قول کو بہت معتبر جانتے تھے۔ ان سے مذاکرہ و مدارسہ بھی کرتے تھے اور پھر دوسروں کے آگے ان کے بے مثال تفقہ کی تحسین فرماتے

تھے۔ حاصل یہ کہ قرائن زیادہ تر ابو حنیفہؒ ہی کے فضل و تفوق پر دال ہیں۔

رہا علم و واقفیت کا معاملہ۔ تو شاید صاحبِ مشکوٰۃ بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے ہیں جو ابو حنیفہؒ کی واقفیت حدیث اور علم و خبر کے بارے میں کیا جاتا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ کمیت کے اعتبار سے بھی ابو حنیفہؒ کا علم اتنا کم نہیں تھا کہ کسی بھی امام کے مقابلہ میں بلا تکلف اسے کم قرار دیا جائے۔ پھر امام مالکؒ تو خود فرماتے ہیں۔ ۔۔ اور صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی اسے نقل کیا ہے ۔۔ کہ علم کثرتِ روایت کا نام نہیں وہ تو ایک نور ہے جسے اللہ دل میں رکھ دیتا ہے۔ تو کیا کوئی انصاف پسند محقق کہہ سکتا ہے کہ ابو حنیفہؒ کے بے مثال تفقہ کے آئینے میں یہ نور جس شان سے چمک رہا ہے وہ ایسا ہی ہے کہ امام مالکؒ کے مقابلہ میں اسے کمتر اور مفضول قرار دیا جائے۔

تطویل معاف۔ اس طرح کے گوشوں سے زجاجۃ المصابیح کے فاضل مدوّن ہم سے کہیں زیادہ واقف ہوں گے لیکن ہم نے ان کی یادداشت کو تازہ کرنے اور نئے اکمال کی تدوین پر توجہ دلانے کی خاطر یہ اشارات دئیے ہیں۔ امید ہے کہ وہ زجاجۃ المصابیح پڑھنے والوں کی خاطر اکمال ضرور پیش فرمائیں گے۔ ایسا اکمال جو کسی عالم و امام کی تنقیص نہ کرے مگر امام ابو حنیفہ کا تعارف شایانِ شان کرا دے۔ وباللہ التوفیق۔

قرآن ازم

نتیجۂ فکر جناب غلام احمد صاحب:۔ ناشر:۔ "دار الاشاعت قرآن ازم" ۲۲-۱-۸٦۷ سلطان پورہ۔ حیدر آباد ۲

جلد اوّل۔ حصہ مکی۔ تجلی سائز کے ۲۸٦ صفحات غیر مجلد پانچ روپے۔

جلد اوّل۔ حصہ مدنی تجلی سائز کے ۳۰۰ صفحات۔ (ان کے علاوہ انگریزی کے ساڑھے آٹھ صفحات آخر میں پیوستہ ہیں) قیمت مجلد دس روپے۔

کتابت و طباعت، مضامین کے دروبست اور ادب و انشاء کے بارے میں خود مصنف ہی کا اعتراف سنئے:۔

"اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کو نہ تو اس میں ادبی چاشنی ملے گی اور نہ مضامین کا تسلسل۔ بلکہ ایک ہی مضمون کی بار بار تکرار اور اس پر کتابت و طباعت کی غلطیاں مستزاد۔"

یہ رسمی انکسار نہیں بلکہ امر واقعہ ہے اور قرآن کے معانی و مطالب کے سمندر میں غواصی کرنیوالے ہزاروں ہنرمند اسلاف کے فکر و تحقیق سے بے نیازی کا اعتراف بھی مصنف نے شروع ہی میں کر دیا ہے:۔

"متقدمین کے حوالوں سے معرا میرے افکار کا یہ دفتر پراگندہ آپ کے سامنے موجود ہے۔"

دونوں حصوں کی معتدبہ ضخامت اور جداگانہ حیثیت اس لائق تھی کہ ہر حصے پر الگ مستقلاً تبصرہ کیا جاتا لیکن جن بنیادوں پر فکر و تدوین کی یہ بلند عمارت کھڑی کی گئی ہے وہی ہمارے نزدیک "خالصتہً" ہوائی ہیں اس لئے زیادہ وقت اور جگہ صرف کرنا اسرافِ بیجا محسوس ہوتا ہے۔

دنیاوی کاموں کا معاملہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بالفرض بہت سارے کام کرتا ہے تو ناقد کا فرض ہے کہ تمام کاموں پر یکساں حکم نہ لگائے بلکہ سیر حاصل جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ فلاں فلاں کام لائق تحسین ہیں اور فلاں فلاں مستحق مذمت۔ لیکن دینی کاموں کا معاملہ اس سے جدا ہے۔ ایک شخص اگر قرآنی لطائف و اسرار کی گرہ کشائی میں آسمان کے تارے بھی توڑ لائے مگر صرف ایک دو آیات سے لوگوں کو منحرف کر دے تو یہی لغزش اس کے تمام کارناموں پر پانی پھیر دے گی یا وہ قرآن کی شرح و تفسیر میں ایسی روش اختیار کرے جس سے اللہ کے رسولؐ اور اجماعِ امت کی بنیادی حیثیت و اہمیت بالائے طاق رکھی جائے تو چاہے اس شرح و تفسیر سے ہزار گودام بھر جائیں مگر اربابِ ایمان کے لئے ان گوداموں کی قیمت جَو کی برابر بھی نہ ہوگی۔ (باقی بر صفحہ ۴۸)

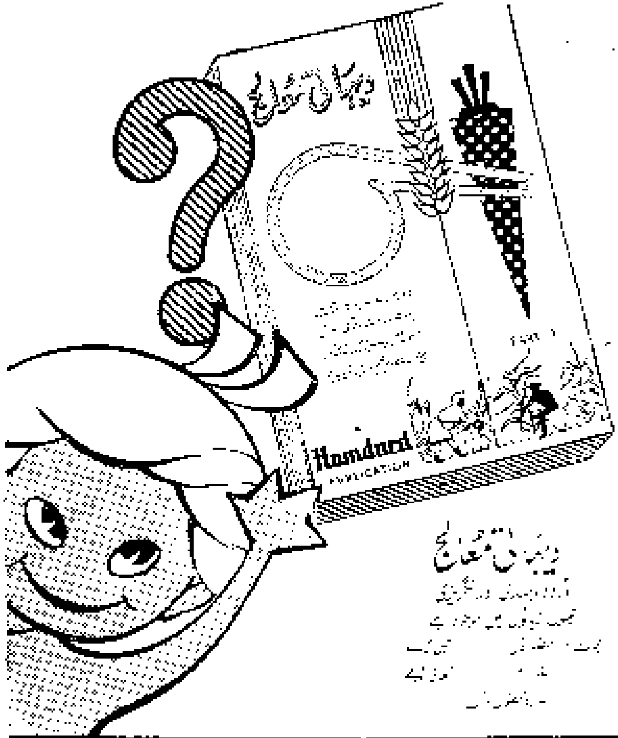

دیہاتی معالج

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف)
دہلی — کانپور — پٹنہ

'. No. A-972 Tajalli Monthly Deoband. U. P.

DURR.E.NAJAF

- دھند جالا، ناخونہ، پڑبال، سرخی، اور آنکھیں دکھنے میں مفید ہے۔
- آنکھوں کے آگے تارے اڑتے ہوں، یا بینائی کمزور ہوتی جارہی ہو، یا آنکھیں تھکاوٹ محسوس کرتی ہوں تو اسے استعمال فرمائیے۔
- ضروری ہدایات ساتھ بھیجی جاتی ہیں

جن حضرات نے تجربہ کے بعد تعریفی تحریریں مرحمت فرمائیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار
دیوبند۔ مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب عثمانی۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن
صاحب (ندوۃ المصنفین دہلی)۔ ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب سابق سٹی سرجن۔ حکیم کنہیا لال صاحب وید سہارنپور۔ ڈاکٹر انعام الحق
صاحب ایل ایم ایس ہومیو پیتھک۔ ساہو جوالا پرشن صاحب رئیس اعظم مرادآباد۔ جناب تنیار نسیمی ایڈیٹر اسلامی دنیا دیوبند

ہندوستان کا پتہ	دارالفیض رحمانی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور۔ (یو۔پی) انڈیا
پاکستان کا پتہ	عثمان غنی۔ کرانہ مرچنٹ ۲۲۸۰ مینا بازار پیرالٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)